ISSN 2395 - 1494
بیادگار: الحاج حافظ محمد قمر الدین رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان
مارچ ۲۰۲۱ء
25/-
MARCH - 2021
اہلِ سنت کا ترجمان
ماہنامہ
کنز الایمان
دہلی
حافظ صاحب کی کوئی بھی خواہش ادھوری نہیں رہے گی
دفعہ ۳۷۰ کے خاتمہ کے بعد
کشمیر میں خواتین و اطفال کے بڑھتے مسائل
حضرت کا معنی، ایمان اور مومن نہیں ہوتا
نئی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ء۔ اندیشے اور مواقع
بہت جلد نظر آئیں گے موبائل کی لت کو چھڑانے کے سینٹر
کورونا ویکسین
کو حکومت کی عام منظوری کے بعد لگوا سکتے ہیں
ایک ہے "بیماری کا علاج" اور ایک ہے
"بیماری سے بچاؤ" علاج کے لئے دوا استعمال
کی جاتی ہے اور بچاؤ کے لئے ویکسین جس کو عام
بول چال میں "ٹیکا" کہا جاتا ہے. جو عموماً نارمل افراد
اور بچوں کو لگایا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بیماری
کے وائرس لاچار اور بے بس ہو جاتے ہیں
دہلی میں مسلم
عہد حکمرانی کی
عظیم یادگاریں
1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلسِ مشاورت

- ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی (دہلی)
- سید محمد مہدی میاں چشتی (اجمیر شریف)
- پروفیسر عون محمد سعیدی (پاکستان)
- مولانا افتخار احمد قادری (مدینہ منورہ)
- مولانا محمد عبد المبین نعمانی (مبارک پور)
- علامہ بدر القادری (ہالینڈ)
- مولانا محمد قمر الحسن قادری (امریکہ)
- سید شاہ شمیم الدین منعمی (پٹنہ)
- سید حسن اشرفی کچھوچھوی (انگلینڈ)

سوادِ اعظم اہلِ سنت وجماعت کے مشاہیر علمائے ہند

۱. شیخ عبد الحق محدث دہلوی
۲. مجددِ الف ثانی شیخ احمد سرہندی
۳. علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۴. علامہ عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی
۵. شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
۶. شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی
۷. شاہ احمد سعید مجددی رام پوری
۸. علامہ فضلِ حق چشتی خیرآبادی
۹. علامہ عبد العلیم فرنگی محلی لکھنوی
۱۰. علامہ فضلِ رسول عثمانی بدایونی
۱۱. سید شاہ آلِ رسول احمد مارہروی
۱۲. مفتی ارشاد حسین مجددی رام پوری
۱۳. مفتی غلام دستگیر قصوری لاہوری
۱۴. علامہ عبد القادر برکاتی بدایونی
۱۵. امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی
۱۶. سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی
۱۷. شیخ الاسلام شاہ انوار اللہ فاروقی حیدرآبادی

کے مسلکِ حق وصداقت کا نقیب وترجمان

مجلسِ مشاورت

- مولانا محمد حنیف خاں رضوی (بریلی شریف)
- ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (حیدرآباد)
- مولانا قاضی فضل احمد مصباحی (بنارس)
- مولانا محمد شاکر علی نوری (ممبئی)
- مولانا مقبول احمد مصباحی (دہلی)
- الحاج محمد سعید نوری (ممبئی)
- انجینئر سید محمد فضل الرحمٰن چشتی (دہلی)
- مولانا محمد فروغ القادری (برطانیہ)
- مفتی مجاہد حسین حبیبی (کولکاتا)

بفیضِ حضور مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان

ماہنامہ کنز الایمان دہلی

مارچ ۲۰۲۱ء

رجب المرجب / شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ

جلد ۲۴ — شمارہ ۳

مجلسِ ادارت

مدیر مسئول	محمد ظفر الدین برکاتی
منیجنگ ایڈیٹر	محمد صبی انصاری
سرکولیشن منیجر	مطیع الرحمٰن اعظمی
معاون منیجر	محمد سعید انصاری
اشتہار منیجر	امام الدین قیصر
تزئین کار	محمد نظام الدین انصاری
آپریٹر	محمد کامل نعیمی

مشیرِ اعلیٰ

علامہ یٰسین اختر مصباحی

ایڈیٹر

محمد قمر الدین رضوی

Published, Printed & On Behalf Of
Mohammed Qamruddin Razvi
Printed At : **Javed Press** 2096 Rodgran,
Lal Kuan, Delhi-06
Published From **Kanzul Iman Monthly**
423, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-06

تفصیلِ ممبرشپ

قیمت فی شمارہ	۲۵ روپے
سالانہ	۳۰۰ روپے
اعزازی	۵۰۰
تاحیات	۱۰۰۰۰
بیرونِ ممالک	۳۰ امریکی ڈالر
تاحیات	۲۰۰۰ امریکی ڈالر

ماہ نامہ کنز الایمان دہلی
آن لائن پڑھنے کے لیے لاگ اِن کریں
www.razvikitabghar.com

نوٹ رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف دہلی کی عدالت میں قابلِ سماعت ہوگا۔ مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

ڈرافٹ
KANZUL IMAN MONTHLY
کے نام سے بنوائیں

مراسلت وترسیلِ زر کا پتہ
ماہنامہ کنز الایمان دہلی
۴۲۳، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی ۶
KANZUL IMAN MONTHLY
423, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6 (India)
Ph:.23264524 Email.kanzuliman.delhi@gmail.com

آئینۂ کنز الایمان

اپریل ۲۰۲۱ء کا شمارہ خصوصی ہوگا

عالم ربّانی، مفسر قرآن، ثانیٔ سرکارِ ربّانی، شیخ طریقت، ابو العلماء حضرت علامہ مفتی محمد مقصود سید غازی ربّانی علیہ الرحمۃ والرضوان (ولادت: ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۰/جون ۱۹۲۶ء۔ وصال: ۹ شعبان ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۵، اپریل ۲۰۱۹ء) بانی دار العلوم ربانیہ، حرا اسلامیہ انٹر کالج، باندہ، اتر پردیش (بھارت) کی حیات و خدمات پر مشتمل ہوگا۔ ربانی خانوادہ اور سلسلہ طریقت پر ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کی خاص پیش کش۔

مولانا سید شاہد ربّانی، ڈاکٹر مولانا سید ابرار احمد حامد ربّانی، ڈاکٹر مولانا سید اسرار احمد محمود ربّانی

مقالات و مواد کی فراہمی کے لئے مولانا ڈاکٹر محمد عرفان محی الدین قادری ربّانی (حیدر آباد) نے خاص تعاون پیش کیا ہے۔ (ادارہ)

اداریہ

حافظ صاحب کی کوئی بھی خواہش ادھوری نہیں رہے گی

ایک بڑی خواہش یہ تھی کہ ماہ نامہ کنز الایمان کے قارئین اپنے ذمہ ادارے کی بقیہ رقم ادا کر دیں

محمد ظفر الدین برکاتی ★

ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے خصوصی شمارہ جنوری کو دیکھنے کے بعد بہت سے حضرات نے تعزیتی خطوط لکھے ہیں اور صاحب زادگان کے ساتھ ہمیں بھی بہت سے مشورے اور ہدایات سے نوازا ہے۔ ان میں دو بڑی خواہشوں کا بہت سے حضرات نے بار بار تذکرہ کیا ہے کہ ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کی اشاعت وطباعت کا سلسلہ باقی رہنا چاہیے اور ''مشائخ دہلی نمبر'' کو بہت جلد منظر عام پر لانا چاہیے۔

سب سے پہلے ہم ادارہ ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کی جانب سے سبھی دعا گو حضرات اور خیر خواہ قارئین کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے دینی، اخلاقی اور تجارتی ہر اعتبار سے ادارہ کے ساتھ اپنے دلی تعلق اور ہمدردی کا مظاہرہ کیا ہے اور حافظ محمد قمر الدین رضوی صاحب کی روح کو ایصال ثواب کرنے کے لئے قرآن خوانی اور دعائے مغفرت کا مخلصانہ ہدیہ پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

ہم اپنے قارئین اور خیر خواہوں کی معلومات میں اضافہ کے لئے عرض کیے دیتے ہیں کہ موصوف حافظ محمد قمر الدین رضوی کی بہت سی خواہشیں تھیں لیکن جن کا وہ بار ہا اظہار کرتے رہے، اُن کی تعداد پانچ ہو سکتی ہے جنھیں ہم بیان کر دینا بہتر سمجھتے ہیں:

پہلی: بھارت میں دستیاب اہل سنت کی تقریباً سبھی مطبوعہ کتابوں کی فہرست سازی۔ دوسری: اہل سنت کی سبھی مطبوعہ کتابوں کی فہرست سازی، اگر چہ دستیاب نہ ہوں لیکن نام اور موضوع کو محفوظ کر دیا جائے تاکہ تلاش کرنے والوں کے لئے آسانی ہو جائے۔ تیسری: اہل سنت کی سبھی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی لسانی اور موضوعاتی فہرست سازی تاکہ اُن موضوعات پر علمائے کرام منصوبہ بندی سے کام کریں جن پر ابھی تک کام نہیں ہوا ہے۔ چوتھی: اخباری ہندی اور انگریزی میں بھی ماہ نامہ کنز الایمان کی اشاعت اور اُسی ادارے سے تینوں زبانوں میں ہفت روزہ اخبار کی اشاعت۔ پانچویں خواہش: کوئی نیا رسالہ یا کوئی نیا اخبار نکالنے کی بجائے اکابر اہل سنت نے جن اخبارات ورسائل کو جاری رکھا لیکن حالات کی ستم ظریفی کے سبب بند ہو گئے، اُنھی کو زندہ کرنا تاکہ ہمارے اکابر کی نیک نامی زندہ ہو جائے اور ہماری تجارتی صحافت بھی اپنی برکت عطا کرتی رہے۔

مشائخ دہلی نمبر کی اشاعت تو ہم سب کی خواہش ہے لیکن ترتیب و تزئین کی تکمیل کے بعد طباعت کی ذمہ داری حافظ صاحب کی ضرور تھی جس کے لئے وہ ہمیشہ تیار تھے لیکن اس کی طباعت کے لئے مطلوبہ رقم کا انتظام ایک بڑا مسئلہ ہے، اس لئے وہ ارادہ کرتے کہ اچانک کوئی دوسرا مسئلہ درپیش ہو جاتا، حالانکہ انھیں بھی معلوم تھا کہ بے شمار قارئین نے مشائخ دہلی نمبر کے لئے پیشگی رقم برسوں پہلے جمع کر رکھی ہے جس کی تفصیل ایک مستقل رجسٹر میں درج ہے لیکن سچائی یہ ہے کہ اس کی طباعت و اشاعت کی سعادت اُن کے صاحب زادوں کا حصہ تھی، اس لئے تاخیر ہوتی رہی، اب جیسا کہ بہت سے حضرات نے خواہش ظاہر کی ہے کہ حافظ صاحب کی برسی کے وقت تک ''مشائخ دہلی نمبر'' کی اشاعت ہو جائے تو بہتر ہوگا، اِن شاءاللہ اب ہم سب کی یہ خواہش ضرور پوری ہوگی دل یہ کہتا ہے کہ وقت قریب ہے۔

لیکن ادارہ رضوی کتاب گھر اور ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے موجودہ ذمے داروں یعنی دونوں صاحب زادوں نے توجہ دی اور ہمت وحوصلے سے لگتا ہے کہ وہ توجہ دینے کی طرف بڑھنے لگے ہیں تو ضرور حافظ صاحب کی سبھی خواہشات پوری ہوں گی اور کوئی بھی خواہش اِن شاءاللہ ادھوری نہیں چھوڑی جائے گی۔

اب آپ کو حافظ صاحب کی ایک ایسی خواہش بتاتے ہیں جس کا وہ بار ہا سانس لے لے کر اظہار کرتے رہے کہ ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کی سالانہ زرِ رفاقت (ممبری فیس) برسوں سے جن حضرات کے ذمے باقی ہے، وہ براہ کرم ادا کر دیں۔ اُسی طرح اعزازی طور پر حاصل کرنے

والے معزز علمائے کرام اور مشائخ عظام بھی کچھ عنایت کر سکتے ہیں تو ضرور کرم فرمائیں اور ماہ نامہ کنزالایمان کی لمبی حیات کے لئے دعائے خیر کرتے ہوئے اس کی ''تاحیات رکنیت'' کے لئے بھی پیشگی رقم جمع کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ادارہ بہت جلد حافظ صاحب کی اِن دو خواہشوں کی تکمیل کے لئے تحریک چلانے والا ہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والا ہے تاکہ ماہ نامہ کنزالایمان دہلی کو مالی دقتوں سے نجات ملے۔ادارہ جو اِقدام کرنے والا ہے، اُس کا تذکرہ ادارہ کے خیر خواہ جناب وصی مکرانی واجدی صاحب کے اِس مراسلے میں موجود ہے:

رسالہ کی زندگی کے لئے اعزازی ممبر سازی لازمی ہے

محترم مدیر! سلام ورحمت

لاک ڈاؤن کے درمیان رسالہ تعطل کا شکار رہا۔خدا کا فضل وکرم ہے کہ ۲۰۲۱ء کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا مگر ایک غم ناک سانحہ کے ساتھ۔مولانا پھول محمد نعمت رضوی سے پتہ چلا کہ ماہ نامہ کنزالایمان کے بانی مدیر، مالک رضوی کتاب گھر دہلی حافظ محمد قمرالدین رضوی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا۔اچانک یہ خبر سن کر سکتے کا عالم طاری ہوا۔دل سے دعائیں کرنے لگا کہ خداوند کریم انھیں جوارِ رحمت میں رکھے اور اُن کے درجات بلند فرمائے۔آمین

میں ماہ نامہ کنزالایمان سے برسوں سے جڑا ہوا ہوں۔پہلے ماہ نامہ کنزالایمان میں نظم کا کوئی کالم نہیں تھا۔میں نے اپنے ایک خط میں (برکاتی صاحب سے) نظم کے لئے بھی کچھ صفحات مختص کرنے کے لئے مشورہ دیا تھا پھر بڑی خوشی ہوئی کہ اگلے ہی شمارہ سے اس سلسلے کا آغاز ہوگیا۔شروع میں صرف ایک صفحہ اور پھر دھیرے دھیرے ۲۔۳ صفحات پر شعر وسخن کے دائرے بڑھتے گئے۔میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی مگر اکثر خط وکتابت اور کبھی کبھی فون پر گفتگو ضرور ہوتی تھی۔میں نے نظم کا کالم کے تحت اک دوبار تنقیدی تحریر اُن کی توجہ مبذول کرنے کی غرض سے بھیجی تھی اور کہا تھا کہ اپنے کسی مخلص سے (جو شعر وسخن کی پرکھ رکھنے والے ہوں) شعری حصہ کو دِکھلا کر شائع کریں تو ماہ نامہ کنزالایمان کے معیار پر حرف نہیں آئے گا۔جواب میں انہوں نے لکھا تھا کہ دہلی میں ایسا کوئی مخلص نہیں جو اِس کام کو بغیر معاوضہ کے انجام دے سکے۔اس نیک کام کی ذمہ داری اگر آپ قبول کرلیں تو اچھا رہے گا۔میں نے کہا کہ اگر میں دہلی میں ہوتا تو میں ضرور اِس کام میں آپ کا ساتھ دیتا۔

مسلک اعلیٰ حضرت کے ترجمان کی حیثیت سے ہندوستان میں ماہ نامہ کنزالایمان کا نام اول نمبر پر آتا ہے۔اس کے نام سے ہی اس کی اشاعت کا مقصد سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ سوادِ اعظم اہل سنت کا نمائندہ رسالہ ہے۔

زرِرفاقت کے تقاضا کے باوجود جب قارئین تعاون نہ کریں تو دل برداشتہ ہوکر کئی بار رِسالہ بند کرنے کا اعلان ہوا مگر اپنے بہی خواہوں کے فون اور تسلی بخش پیغام اور خطوط کی وجہ سے ہر بار یہ ارادہ ترک ہوتا رہا۔ہندوستان کے دینی رسائل میں سب سے زیادہ پڑھنے والے ماہ نامہ کنزالایمان ہی کے ہیں۔خداوند کریم اُس کا دائرہ اور وسیع فرمائے۔آمین

سیکڑوں رسالے آپ اعزازی طور پر ارسال کرتے ہیں۔کنزالایمان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ تاحیات ممبر شپ کی رقم گھٹا کر آپ پانچ ہزار کردیں اور صرف ۲۰۰ ممبر بنانے کے لئے سرگرم ہوجائیں۔اگر آپ اِس میں کامران ہوئے تو دس لاکھ جمع ہوں گے جسے Fixed Depostit میں ڈال دیں۔رسالہ اُس کے بینک منافع سے نکلتا رہے گا۔یہ کام کہنے میں آسان ہے مگر اتنا بھی مشکل نہیں، جتنا ہم تصور کرتے ہیں۔آئندہ شمارہ سے حضرت حافظ محمد قمرالدین رضوی علیہ الرحمہ کا نام ''بانی ماہ نامہ کنزالایمان'' کے حوالہ سے لکھیں تو بہتر ہوگا۔

وصی مکرانی واجدی، ملنکوا، نیپال

کرم فرما واجدی صاحب! ماہ نامہ کنزالایمان دہلی کا اعزازی زرِ رفاقت صرف پانچ سو روپے ہیں اور آپ نے گھٹا کر پانچ ہزار کردینے کا مشورہ دیا ہے، شاید آپ نے بیرونی ممالک کے لئے اعزازی رقم ۲۰۰۰ء کو دیکھ کر سب کے لئے یہی اعزازی رقم سمجھ لی ہے۔اچھا ہوا کہ آپ کے ذریعے بہت سے قارئین کو معلوم ہوگیا کہ اعزازی زرِرفاقت صرف پانچ سو روپے ہے اور تاحیات کے لئے دس ہزار روپے۔(ادارہ)

z.barkati@gmail.com

اصلاحی وضاحت نامہ

جنوری کے خصوصی شمارے میں جناب محمد ایوب صالح پوری کے مضمون میں ایک جملہ ''ہر روح کو موت آتی ہے، ان کو بھی آگئی'' غلط ہے، دراصل ادارتی نظر سے چوک ہوگئی ہے، اُسے اِس طرح ہونا چاہئے ''ہر نفس کو موت آتی ہے، اُن کو بھی آگئی''، کیوں کہ روح کبھی نہیں مرتی ہے اور قرآن کی زبان میں بھی یہی درست ہے کہ

''نفس ہی کو موت کا مزہ چکھنا ہے''

قارئین اصلاح کرلیں، ادارہ اس کے لئے معذرت خواہ ہے۔

انوار قرآن

نشہ چھوڑانے والے مرکز کی طرح

جلد نظر آئیں گے موبائل کی لت چھڑانے کے مراکز

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی★

اللہ رب العزت نے اتنی خوبصورت وسیع وعریض دنیا بنائی اور اپنی مخلوق انسانوں کے لئے بے شمار نعمتیں پیدا فرمائیں اور انسانوں کو علم وعقل وہنر جیسی اعلیٰ نعمت سے سرفراز فرمایا، آج انسان اللہ کے دِیے ہوئے علم اور عقل وہنر کو استعمال کر کے روز نت نئے ایجادات کر رہا ہے اور اس کا سہرا، کریڈٹ لے رہا ہے، اپنی پیٹھ خود ہی تھپ تھپا رہا ہے۔ (یہ سچ ہے اس سے انکار نہیں) لیکن یہ علم وعقل کی دولت کس نے عطا فرمائی، کس نے اعلان فرمایا کہ تمہیں یہ سب چیزیں ہم نے دی ہیں اور آنے والے زمانے میں نئی نئی چیزیں دیتے رہیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ترجمہ: (اس نے) گھوڑے اور خچر اور گدھے (پیدا کیے) تا کہ تم اس پر سوار ہو۔ یہ تمہارے لئے زینت اور (ابھی مزید) ایسی چیزیں پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے۔ (سورہ نحل، آیت ۸)

یعنی اللہ رب العزت نے گھوڑے، خچر اور گدھے بھی تمہارے نفع فائدہ کے لئے پیدا کیے تا کہ تم ان پر سواری کرو اور اُن میں تمہارے لئے سواری اور دیگر بہت سے فائدے ہیں اور ساتھ ساتھ تمہارے لئے زینت بھی ہیں۔ علمائے مفسرین نے اس آیت کریمہ کی بہت وضاحت فرمائی ہے۔ علامہ شمس الدین قرطبی اندلسی مالکی (پیدائش: ۱۲۱۴ء۔ وفات: ۲۹، اپریل ۱۲۷۳ء) تفسیر قرطبی میں فرماتے ہیں ''ہمیں اونٹ، گائے، بکری، گھوڑا، خچر وغیرہ جانوروں کا مالک بنا دینا، انہیں ہمارے لئے نرم کر دینا، ان جانوروں کو ہمارا تابع (فرماں بردار، زیر اثر، ماتحت) کرنا اور اِن سے نفع اُٹھانا ہمارے لئے مباح کر دینا، اللہ رب العزت کی ہم پر کمال رحمت ہے۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ **وَيَخْلُقُ مَا تَعْلَمُوْنَ** کی تفسیر بہت لمبی فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ اور بھی بہت سی ایسی چیزیں پیدا فرمائے گا جو تم جانتے نہیں۔ یعنی جانوروں کی اقسام تمہارے سامنے بیان کی گئیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت ایسی عجیب و غریب چیزیں اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا جن کی حقیقت اور پیدائش کی کیفیت تم نہیں جانتے۔ اس میں وہ تمام چیزیں آ گئیں جو آدمی کے فائدے، راحت وآرام وآسائش (عیش وعشرت) کے کام آتی ہیں۔''

اور یہ چیزیں اُس وقت موجود نہیں ہوئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کو اُن چیزوں کو آئندہ پیدا کرنا منظور تھا جیسے کہ بحری جہاز، ہوائی جہاز، ریل گاڑیاں، کاریں، بسیں، کمپیوٹر، موبائل اور اس طرح کی ہزاروں، لاکھوں سائنسی ایجادات اور بھی نہ جانے کیا کیا ایجاد ہوگا، لیکن جو بھی ایجاد ہوگا وہ سب اس آیت کریمہ میں داخل ہوگا۔

کمپیوٹر اور موبائل اس صدی کی سب سے حیرت انگیز ایجاد: سائنسی ایجادات، دریافت نے ایک مختصر دورانیے میں ہمارا تصورِ کائنات بدل کر رکھ دیا ہے۔ صرف ایک سو برس پہلے لوگوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وراثت اگلی نسلوں کو کیسے منتقل ہوتی ہے، یا ایک خلیہ، سیل (حیاتیات، انگ) کیسے تقسیم ہو کر پورا جاندار بن جاتا ہے۔ انسانوں کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ''ایٹم'' کی اندرون ساخت بھی ہوتی ہے۔ ایٹم مادے کا چھوٹا ترین ذرہ ہوتا ہے جو اپنے کیمیائی خواص برقرار رکھتا ہے حالانکہ خود لفظ ایٹم کا مطلب ''نا قابل تقسیم'' ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ کائنات یا زندگی کا آغاز کیسے ہوا (وغیرہ) اِدھر تین دہائیوں کے سالوں میں سائنسی ایجادات میں کئی بڑے بڑے اِنقلاب آئے جیسے ڈی این اے، ساخت (زمین پر چلتی پھرتی زندگی کے پیچھے کے رموز ہوتے ہیں یعنی کسی جاندار کی ظاہری شکل وصورت، رویہ) وغیرہ

کمپیوٹر وموبائل موجودہ دور کی ضرورت بن گیا ہے، سبھی اس کے اسیر ہیں غلام ہیں، موجودہ نسل کے جو بچے ہیں اِس وقت اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں، ان میں سے بعض کو یہ سہولیت حاصل ہے کہ وہ کمپیوٹر اور موبائل سے اسکول کی تعلیم کے دوران واقف ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آنے والے برسوں میں یہ سہولت اسکول میں پڑھنے والے ہر بچے کو میسر ہو۔ ہر نوعیت کے چھوٹے بڑے دفتروں میں، صنعت، پیشہ، ہنر، دست کاری میں، زراعت، کھیتی باڑی میں، کاروبار میں، ذرائع ابلاغ میں، خلا، فضا، زمین اور سمندر کی سواریوں میں غرض زندگی کا کون سا

شعبہ ہے جہاں کمپیوٹر اور موبائل کی کارگزاری، کارکردگی کارفرما نہیں۔ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ مستقبل کمپیوٹر اور موبائل کا ہے۔

4جی یا" فورتھ جنریشن" یا G-5 تک موبائل کاسفر: موبائل اور کمپیوٹر آج ہر انسان کی ضرورت بن گیا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید صحیح ہوگا کہ نئی نسل سے لے کر چھوٹے بڑے سبھی اس کے بندھوا غلام (بے تنخواہ ہر کام کرے) ہو گئے ہیں۔ بغیر 4جی-5جی موبائل ''آقا'' کے اب کچھ کر ہی نہیں سکتے اور اس کے بغیر جی بھی نہیں سکتے۔ موبائل ٹکنالوجی سے فائدہ لیتی ہوئی 4جی چوتھی نسل اب 5جی کی جانب قدم بڑھا چکی ہے۔ 5جی موبائل کے نیٹ ورک میں سگنلز کی فریکوینسی، موجودہ نیٹ ورکس سے مختلف ہوگی، اسی لئے انہیں استعمال کرنے کے لئے ہینڈسیٹس بھی دوسرے چاہیے، جس طرح پرانے ہینڈسٹس کو 4جی کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اب 5جی سیٹ مارکیٹ میں آ بھی گئے ہیں جس میں بہت خوبیاں موجود ہیں۔ وغیرہ

کورونا کے قہر نے موبائل کے استعمال کو بڑھاوادیا: موبائل کے ہزاروں ہزار فوائد سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس کے زیادہ استعمال سے بے شمار نقصانات بھی ہیں جن پر بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں ہر دن اس کے نقصانات پر مضامین آرہے ہیں۔ ناچیز کا یہ مضمون بھی اسی کی کڑی ہے۔ اس سے پہلے بھی کئی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ (جیسے موبائل ٹاورس سے جانداروں کی صحت پر خطرناک اثرات) جہاں کرونا نے ساری دنیا کو اپنے چپیٹ میں لے کر قہر برپا کیا ہوا ہے وہیں طرح طرح کی بہت سی پریشانیوں میں اِضافہ کیا ہے۔

امریکہ کی جان ہاپکنز یونیورسٹی کے سنٹر فار سائنس اینڈ انجینئرنگ (سی ایس ایس ای) کے تازہ ترین اعداد و شمار LAST UPDATE DEC 22, 2020, کے مطابق کورونا وائرس نے اب تک ۱۹۱ ممالک میں ۷ کروڑ ۳۷ ہزار سے زیادہ افراد کو متاثر کیا ہے، جبکہ ۱۷ لاکھ ۱ ہزار ۸۲۲ مریض لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ اسی وجہ کر ہندوستان میں ابھی تک اسکول وغیرہ نہیں کھلے ہیں اور تعلیم online جاری ہے جس کی وجہ سے موبائل کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے، خاص بات یہ ہے کہ موبائل بچوں کے ہاتھ لگنے سے بچوں کی دلچسپی موبائل میں بہت ہوگئی ہے، پہلے ہی کیا کم قیامت تھی جواب اور قیامت برپا ہے۔ بقول غالب

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا ؟

موبائل فون کا زیادہ استعمال تو ہر عمر کے افراد کے لئے نقصان دہ ہے مگر بچوں پر اس کے انتہائی بُرے اثرات پڑ رہے ہیں جو انتہائی خطر ناک اور تشویس ناک بات ہے۔ اگر وقت رہتے والدین نے اس جانب بھرپور توجہ نہیں دیا تو افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں لگے گا۔

برطانوی اخبار ڈیلی میل (Daily Mail یہ برطانیہ کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا روز نامہ) کی رپورٹ کے مطابق ماہرین کا کہنا ہے کہ ''جو بچے بہت زیادہ موبائل فون کا استعمال کرتے ہیں، یا موبائل فون کو اپنی آنکھوں کے قریب رکھتے ہیں ان کی آنکھوں میں بھینگا پن بہت زیادہ ہوتا جارہا ہے۔ کونم نیشنل یونیورسٹی ہسپتال کے ماہرین نے ۷ سے ۱۶ سال کے لڑکوں پر اپنی تحقیق کی۔ ماہرین نے ان لڑکوں کو روزانہ ۴ سے ۸ گھنٹے تک فون استعمال کرنے اور اُن کو اپنی آنکھوں سے ۸ سے ۱۲، انچ کے فاصلے پر رکھنے کو کہا ہے۔ دو ماہ بعد بہت سے لڑکوں کو بھینگے پن کی ابتدائی علامات ظاہر ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ مسلسل اور دیر تک موبائل کے استعمال سے آنکھیں اندر کی طرف مڑنے لگتی ہیں اور بالآخر آنکھیں بھینگے پن کا شکار ہونے لگتی ہیں، خاص کر بچوں کی۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ مسلسل ۳۰ منٹ سے زیادہ موبائل دیکھنا آنکھوں کی بینائی (روشنی) پر بہت خراب اثر ڈالتا ہے۔ خاص کر بچوں کو ۳۰ منٹ کے بعد کم از کم دو گھنٹے آنکھوں کو آرام دینا بہت ضروری ہے''۔

حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بہت اہم نعمت ''آنکھ'' بھی ہے۔ یہ اللہ کا عطیہ بھی ہے، انعام بھی ہے، آنکھ بظاہر جسم کا بہت ہی چھوٹا عضو ہے مگر اپنی اہمیت وافادیت کے اعتبار سے نہایت ہی عظیم، اہم اور حساس نعمت ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ نے اپنی دی ہوئی نعمت کا ذکر قرآن مجید میں ۸۷ فرمایا ہے، اس سے اندازہ لگائیں کہ آنکھ کتنی بڑی نعمت ہے۔ اللہ نے تمہیں کان اور آنکھ اور دل دیئے کہ تم احسان مانو۔ (سورہ نحل، ۱۶: آیت ۷۸)

موبائل کے دیوانے : موبائل کے نقصانات پر افسوس والدین خاص کر ''ماں'' مائیں، توجہ نہیں دے رہی ہیں بعض مائیں تو خود موبائل کی دیوانی ہیں تو بچوں کو کس منہ سے منع کریں گی، جس طرح آنکھ

اللہ کی انمول نعمت ہے ،اُسی طرح اولاد بھی اللہ کی نعمت ہے جب اولادیں بگڑ جائیں،نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہوجائیں گی تب افسوس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔موبائل کے دیوانے ہر عمر کے لوگ ہیں،رکشا چلانے والے سے لے کر ہوائی جہاز کے پائلٹ تک،کسان سے لے کر ڈاکٹر تک،طالب علم سے لے کر ٹیچر تک،جاہل سے لے کر پروفیسر تک (وغیرہ)اس سے بچ پانا ممکن نہیں لیکن پر اس کا استعمال ضرورت کے علاوہ تو کم کر ہی سکتے ہیں:

نشہ اور موبائل چھڑانے کا مرکز

زیادہ موبائل کے استعمال سے بچنا بہت ضروری ہے،ورنہ وہ دن دور نہیں جب نشیڑیوں،شرابیوں،منشیات کے عادی لوگوں کو''ریحاب'' سنٹر لے جایا جاتا ہے،جہاں نشے کی لت چھڑائی جاتی ہے جو بہت مہنگے اور وقت طلب ہوتے ہیں،جو عام آدمی کی پہنچ سے بہت دور ہیں۔آپ اپنے اِردگرد کے ماحول کو دیکھیں کس طرح بچے موبائل کے دیوانے ہیں ،جو بغیر موبائل دیکھے کھانا نہیں کھاتے ،ماں باپ کس طرح بچوں کے آگے مجبور اور لاچار ہیں توبہ توبہ۔نشیڑیوں میں تو بڑی عمر کے بچے ، نوجوان اور مرد حضرات کی تعداد زیادہ ہوتی ہے لیکن موبائل کے نشیڑی (موبائل لت کے عادی) لوگوں کی تعدا بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ اس موذی(جان کے لئے خطرناک،تکلیف پہنچانے والا) لت،بُرائی میں بچے،نوجوان، بوڑھے، بچیاں،نوجوان بچیاں اور بوڑھی عورتیں سب کے سب لگے ہوئے ہیں،موبائل چھڑانے کے مراکز جب کھلیں گے تو آپ یقین مانیں گلی گلی،محلہ محلہ،مراکز کھولنے پڑیں گے۔خدارا،خدارا اُس برے دن کے آنے سے پہلے سوچئے ضرور سوچئے ، اپنی اور اپنے پیاروں کی قیمتی انمول آنکھیں جو قدرت کا بے بہا عطیہ ہیں اُن کی حفاظت کریں اور ذہنی سکون بھی پائیں۔

اللہ سبھی گارجین کو عقلِ سلیم دے۔آمین ثم آمین

☆☆☆

☆امام وخطیب مسجد ہاجرہ رضویہ،اسلام نگر،کپالی،پوسٹ:پارڈیہہ، مانگو،جمشید پور(جھارکھنڈ)09431332338

دارالعلوم سلطانیہ چشتیہ اہل سنت دھولیہ میں عظیم الشان علی لائبریری کا افتتاح

مصروفیت کے اِس دور میں کتابوں سے دوری اور علم کی کمی ہماری ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔کتب خانوں اور لائبریریوں کی اہمیت اور ضرورت ہر دور میں مسلم رہی ہے۔کتب بینی سے دنیا جہان کے علوم وفنون سے آشنائی ہوتی ہے اور ترقی کے راستے کھلتے ہیں۔اہلیان دھولیہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس عظیم الشان لائبریری کا قیام عمل میں لانے کی کوشش کی۔اِن جملوں کا اظہار نبیرۂ شیخ الکبیر پیر طریقت مولانا سید محمد فاروق میاں چشتی مصباحی،دیویٰ شریف نے دارالعلوم سلطانیہ چشتیہ اہل سنت،دھولیہ میں''علی لائبریری'' کی افتتاحی تقریب میں کیا جو ۲۰ جنوری ۲۰۲۱ء بروز بدھ بعد نمازِ مغرب منعقد ہوئی۔موصوف نے مزید فرمایا کہ کتابوں سے رشتہ قائم رکھنا اِس دور کی سب سے بڑی ضرورت بن گئی ہے۔مولائے کائنات باب العلم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے منسوب''علی لائبریری'' کی افتتاحی تقریب کا آغاز قاری محمد عمران کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا،بعدۂ نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھی گئی۔دھولیہ شہر کے مشہور عالم دین مولانا زبیر احمد رضوی نے کلیدی خطاب کرتے ہوئے مساجد،مدارس،خانقاہوں کے ساتھ ساتھ کتب خانوں کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ کتابیں انسان کے لیے علم کا عظیم ترین خزینہ ہیں وہ باتیں جو ہم کسی سے پوچھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں ہمیں کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوجاتی ہیں۔ہر زمانے میں جب سے مہذب معاشرہ وجود میں آیا کتب خانے بھی وجود میں آئے جب تک ہمارا تعلق اور رشتہ کتب بینی سے قائم رہا ہم مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھتے رہے لیکن افسوس کہ اب کتب بینی سے دوری نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔اِس عظیم الشان اور خوب صورت لائبریری کی تعمیر وتزئین دھولیہ شہر کے مخیر قوم وملت علم دوست الحاج محمد عفان محمد عثمان صاحب کی جانب سے ایک بہترین تحفہ ہے جو اُن کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔تمام ہی شرکا اور مہمانان نے انھیں اس اہم کارنامے پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے انھیں دعاؤں سے نوازا۔افتتاحی تقریب میں الحاج ریاض الدین صاحب (بنارس)،الحاج سلیم سیٹھ قریشی (احمد آباد)،انصاری محمد رضا سر (مالیگاؤں)،ماسٹر خالد چشتی (مالیگاؤں)،دھولیہ واطراف واکناف کے علماو ائمہ وحفاظ اور عمائدین شہر شریک رہے۔جملہ حاضرین کے لیے پر تکلف عشائیہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔صلوۃ وسلام اور دعا پر محفل اختتام پذیر ہوئی۔

اطلاع:ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی (مالیگاؤں)

انوار حدیث

اخلاق رسول اکرم اور قبول اسلام

محمد حشیم الدین قادری★

بیشک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔ (پارہ ۲۹، سورہ القلم، آیت ۴)

افرادِ انسان میں سے انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو مکارم اخلاق کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ان کا کام تبلیغ وتزکیہ ہے اسی واسطے بعنایت الٰہی انہیں اول خلقت وفطرت ہی میں محاسن اخلاق حاصل تھے جن کا ظہور حسب موقع ان کی عمر شریف میں ہوتا رہا مگر دیگر فضائل کی طرح اس کمال میں بھی آنحضرت ﷺ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خلق عظیم کو آپ کی ذات شریف میں حصر فرمایا ہے:

بیشک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں میں محاسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ (نوادر الاصول للحکیم الترمذی)

انبیائے سابقین علیہم السلام میں سے ہر ایک حسن اخلاق کی ایک نوع سے مختص تھے مگر آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس حسن اخلاق کے تمام انواع کی جامع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء سابقین کی سیرت کے اتباع کا حکم دیا: فرمایا

توتم اُنہی کی راہ چلو۔ (پارہ ۷، سورہ انعام، آیت ۹۰)

لہٰذا خصال وکمال وصفات شرف وفضائل جو اُن میں متفرق طور پر پائے جاتے، وہ تمام آپ کی ذات شریف میں جمع تھے۔ حلم وسخاوتِ ابرہیم، صدقِ وعدہ اسمٰعیل، شکر داؤد وسلیمان، صبر ایوب، معجزات قاہرہ موسیٰ، مناجات زکریا، تضرع یحییٰ، دم عیسیٰ وغیرہ سب آپ میں موجود تھے۔ حضرت سعد بن ہشام بن عامر نے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنحضرت ﷺ کے خلق کی بابت دریافت کیا تو حضرت صدیقہ نے جواب میں فرمایا: کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ حضرت سعد نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سن کر حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب جامع صلاۃ اللیل)

کتب سابقہ الہامیہ میں جو آداب وفضائل واوصاف حمیدہ مذکور تھے قرآن مجید اُن سب کا جامع ہے۔ ارشادِ صدیقہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر محامد اخلاق مذکور ہیں وہ سب آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس میں پائے جاتے تھے۔ غرض دیگر کمالات کی طرح محاسن اخلاق میں بھی آپ کا مرتبہ دیگر انبیائے کرام علیہم التسلیمات سے بڑھا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہ ہوگا۔ اس لئے آپ کے اخلاق وعادات بطریق اسناد نہایت صحت کے ساتھ محفوظ ہیں تاکہ قیامت تک ہر زمانے میں ان کا اقتداء کیا جائے اور اُن ہی کو دستور العمل بنایا جائے۔

حضور اقدس ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی شان دیکھئے۔ اللہ عزوجل نے توریت وانجیل میں بھی آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے زید بن سعنہ کی ہدایت کا ارادہ فرمایا تو زید بن سعنہ نے کہا: میں نے جب حضور اقدس ﷺ کے روئے انور کی زیارت کی تو اسی وقت آپ میں نبوت کی تمام علامات پہچان لیں، البتہ دو علامتیں ایسی تھیں جن کی مجھے خبر نہ تھیں (کہ وہ آپ ﷺ میں ہیں یا نہیں) ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غضب پر سبقت لے جاتا ہے اور دوسری یہ کہ آپ ﷺ کے ساتھ جتنا زیادہ جہالت کا برتاؤ کیا جائے آپ ﷺ کا حلم اتنا ہی بڑھتا چلا جائے گا۔ میں موقع کی تلاش میں رہا تاکہ آپ ﷺ کا حلم دیکھ سکوں۔

ایک دن نبی کریم ﷺ اپنے حجروں سے باہر تشریف لائے اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم آپ ﷺ کے ساتھ تھے کہ دیہاتی جیسا ایک شخص اپنی سواری پر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ عرض کی: فلاں قبیلے کی بستی میں رہنے والے قحط اور خشک سالی کی مصیبت میں مبتلا ہیں، میں نے ان سے کہا کہ اگر تم لوگ اسلام قبول کرلو تو تمہیں کثیر رزق ملے گا۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے، یا رسول اللہ ﷺ مجھے ڈر ہے کہ جس طرح وہ رزق ملنے کی امید پر اسلام

میں داخل ہوئے کہیں وہ رزق نہ ملنے کی وجہ سے اسلام سے نکل نہ جائیں۔ اگر ممکن ہوتو اُن کی طرف کوئی ایسی چیز بھیج دیں جس سے ان کی مدد ہو جائے۔ حضور پرنور ﷺ نے اس شخص کی طرف دیکھا اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو دکھایا تو انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ اس میں سے کچھ نہیں بچا۔ زید بن سعنہ کہتے ہیں: میں حضور اقدس ﷺ کے قریب ہوا۔ میں نے کہا: اے محمد (ﷺ) کیا آپ ایک مقررہ مدت تک فلاں قبیلے کے باغ کی معین مقدار میں کھجوریں مجھے بیچ سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے یہودی! ایسے نہیں، میں ایک مقررہ مدت تک اور معین مقدار میں کھجوریں تمہیں بیچوں گا لیکن کسی باغ کو خاص نہیں کروں گا۔ زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ میں نے ایک مقررہ مدت تک معین مقدار میں کھجوروں کے بدلے میں ۸۰ مثقال سونا حضور اقدس ﷺ کو دے دیا اور آپ ﷺ نے وہ سونا اُس شخص کو دے کر فرمایا یہ سونا اُن لوگوں کے درمیان تقسیم کردو اور اس کے ذریعے ان کی مدد کرو۔

زید بن سعنہ کہتے ہیں، جب وہ مدت پوری ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو میں نے مسجد میں آپ ﷺ کا دامن اقدس پکڑ کر تیز نگاہ سے دیکھتے ہوئے یوں کہا: اے محمد! میرا حق ادا کرو۔ اے عبد المطلب کے خاندان والو تم سب کا یہی طریقہ ہے کہ تم لوگ ہمیشہ لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں دیر لگایا کرتے ہو۔ ٹال مٹول کرنا تم لوگوں کی عادت بن چکی ہے۔ اس دوران میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھیں ان کے چہرے پر گھوم رہی تھیں، انہوں نے جلال بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مجھ سے فرمایا: اے دشمن خدا! کیا تم رسول اللہ ﷺ سے ایسی بات اور حرکت کررہے ہو! اس خدا کی قسم جس نے انہیں حق کے ساتھ بھیجا، اگر مجھے نبی کریم ﷺ کا لحاظ نہ ہوتا تو میں ابھی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا۔ رسول کریم ﷺ پرسکون انداز میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھنے لگے اور مسکراتے ہوئے فرمایا ہم دونوں کو اس کے علاوہ چیز کی زیادہ ضرورت تھی کہ تم مجھے اچھے طریقے سے ادائیگی کا کہتے اور اسے اچھے انداز میں مطالبہ کرنے کا کہتے۔ اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تم اسے اس کا حق دے دو اور بیس صاع کھجوریں اس کے حق سے زیادہ دینا۔

زید بن سعنہ کہتے ہیں: (جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے زیادہ کھجوریں دیں) تو میں نے کہا: اے عمر! مجھے زیادہ کھجوریں کیوں دی جا رہی ہیں؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جو میں نے تمہیں ڈانٹا اُس کے بدلے اتنی کھجوریں تمہیں زیادہ دے دوں۔ میں نے کہا: اے عمر آپ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا: میں یہودیوں کا عالم زید بن سعنہ ہوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر تم نے رسول اللہ ﷺ کو جو باتیں کہیں اور ان کے ساتھ جو حرکت کی وہ کیوں کی؟ میں نے کہا: میں نے حضور پرنور ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کرتے ہی آپ میں نبوت کی تمام علامات پہچان لی تھیں، البتہ ان دو علامتوں کو دیکھنا باقی تھا کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غضب پر سبقت لے جاتا ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ جتنا زیادہ جہالت کا برتاؤ کیا جائے آپ ﷺ کا حلم اتنا ہی بڑھتا چلا جائے گا۔ بیشک میں نے یہ علامتیں بھی آپ ﷺ میں پالی ہیں، تو اے عمر! آپ گواہ ہو جائیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ میں بہت مالدار ہوں، آپ گواہ ہو جائیں کہ میں نے اپنا آدھا مال تاجدار رسالت ﷺ کی امت پر صدقہ کردیا پھر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اسلام لانے کے بعد حضرت زید بن سعنہ بہت سے غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے اور غزوۂ تبوک میں دشمن کی طرف بڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(مستدرک، کتاب معرفۃ الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ذکر اسلام زید بن سعنہ)

ثمامہ بن اثال یمامی جو اہل یمامہ کا سردار تھا رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ خدایا! اُس کو میرے قابو میں کردے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سواروں کا ایک دستہ نجد کی طرف بھیجا۔ بنوحنیفہ میں سے ایک شخص ثمامہ بن اثال کو پکڑ کر لائے اور اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ آنحضرت ﷺ اس کی طرف نکلے تو پوچھا: ثمامہ! کیا کہتے ہو؟ ثمامہ نے کہا: یا محمد! اگر آپ مجھے قتل

کریں گے تو ایک خونی کو قتل کریں گے اور اگر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے۔ اگر آپ زرفدیہ چاہتے ہیں تو جس قدر مانگیں دے دوں گا۔ آپ نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے روز بھی یہی گفتگو ہوئی۔ تیسرے روز آپ نے اس کا وہی جواب سن کر حکم دیا کہ ثمامہ کو کھول دو۔ یہ عنایت دیکھ کر اس نے مسجد کے قریب ایک درخت کی آڑ میں غسل کیا اور مسجد میں آکر کلمہ شہادت پڑھا اور کہنے لگا: اے محمد خدا کی قسم! میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا، اب وہی چہرہ میرے نزدیک سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا، اب وہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا، اب وہی شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ)

صفوان بن امیہ جاہلیت میں اشراف قریش میں سے تھے اور اسلام کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ گئے تھے۔ حضرت عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ صفوان میری قوم کے سردار ہیں وہ بھاگ گئے ہیں تاکہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیں۔ احمر و اسود کو آپ نے امان دی ہے ان کو بھی امان دیجئے۔ آپ نے فرمایا: تو اپنے چچیرے بھائی کو لے آ، اسے امان ہے۔ حضرت عمیر نے عرض کیا کہ امان کی کوئی نشانی چاہیے جو میں اسے دکھا دوں۔ آپ نے اپنا عمامہ جو فتح مکہ کے دن پہنے ہوئے تھے عطا فرمایا۔ صفوان جدہ میں جہاز پر سوار ہونے کو تھے کہ حضرت عمیر جا پہنچے اور ان کو مژدۂ امان سنایا۔ صفوان نے کہا: مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت عمیر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا حلم و کرم اُس سے برتر ہے۔ غرض صفوان حاضر خدمت اقدس ہوئے اور عرض کیا کہ یہ عمیر کہتا ہے کہ آپ نے مجھے امان دی ہے۔ آپ نے فرمایا: عمیر سچ کہتا ہے۔ یہ سن کر صفوان نے کہا: یارسول اللہ! دو ماہ کی مہلت دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے چار ماہ کی مہلت ہے۔ حضرت صفوان غزوۂ طائف کے بعد برغبت ورضا ایمان لائے۔ (السیرۃ الحلبیۃ، باب ذکر مغازیہ، فتح مکۃ شرفہا اللہ تعالیٰ، ج ۳ ص ۱۳۵)

عدی بن حاتم طائی پہلے عیسائی تھے جو اپنی قوم کے سردار تھے اور غنیمت میں سے حسب قاعدۂ جاہلیت چوتھا حصہ لیا کرتے۔ جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو وہ بھاگ کر ملک شام چلے گئے۔ ان کی بہن پیچھے رہ گئی اور گرفتار ہو کر بارگاہ رسالت میں آئی۔ اس نے عرض کیا کہ آپ مجھ پر احسان کیجئے خدا تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔ آنحضرت ﷺ نے اسے خوراک و پوشاک اور سواری دے کر اس کی قوم کے ایک قافلہ کے ساتھ روانہ فرما دیا۔ وہ شام میں اپنے بھائی کے پاس پہنچ گئی۔ عدی کو شک تھا کہ رسول اللہ ﷺ بادشاہ ہیں یا پیغمبر۔ بہن نے مشورہ دیا کہ تم خود حاضر خدمت ہو کر دیکھ آؤ۔ عدی یوں بیان کرتے ہیں کہ جب میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور مجھے اپنے گھر لے چلے۔ ناگاہ ایک مسکین بڑھیا کسی حاجت کیلئے حاضر خدمت ہوئی وہ کہنے لگی: ٹھہریئے! آپ ﷺ ٹھہر گئے اور دیر تک کچھ عرض کرتی رہی یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بادشاہ نہیں پھر آپ ﷺ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ آپ ﷺ نے ایک تکیہ جو کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تھا میری طرف پھینکا، فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ! میں نے کہا: نہیں آپ اس پر تشریف رکھئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہی اس پر بیٹھو۔ حسب الارشاد میں اس پر بیٹھ گیا اور آپ ﷺ زمین پر بیٹھ گئے یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ بادشاہ کا یہ حال نہیں ہوا کرتا۔

آپ نے فرمایا: عدی بن حاتم! کیا تم رکوسی (نصاریٰ اور صابئین کے درمیان ایک فرقہ یا قوم ہے انہیں رکوسیہ کہتے ہیں) نہیں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں پھر فرمایا: کیا تم غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارے دین میں جائز نہیں۔ میں اس سے پہچان گیا کہ آپ پیغمبر مرسل ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ عدی! شاید تم اس لئے دین اسلام میں داخل نہیں ہوتے کہ مسلمان غریب اور تعداد میں تھوڑے ہیں اور ان کے دشمن بہت اور صاحب ملک و سلطنت ہیں، مگر عنقریب مسلمانوں میں مال کی وہ کثرت ہوگی کہ کوئی صدقہ لینے والا نہ ملے گا اور تم عنقریب سن لوگے کہ ایک عورت اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے مکہ میں پہنچ کر بیت اللہ کا حج کیا کرے گی اور اُسے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ تم عنقریب سرزمین بابل میں سفید محلات پر مسلمانوں کے قبضہ کی خبر سن لوگے۔ یہ سن کر میں اسلام لایا۔

حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے کہ ان تین پیشگوئیوں میں سے دوسری اور تیسری پوری ہوچکی ہے اور پہلی پوری ہو کر رہے گی۔
(سیرت ابن ہشام، امر عدی بن حاتم)

غنائم حنین کے واقعات میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص (صفوان بن امیہ) نے اس روز بکریوں کا سوال کیا جن سے دو پہاڑوں کا درمیانی جنگل پر تھا۔ آپ ﷺ نے وہ سب اس کو دے دیں۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا: اے میری قوم! تم اسلام لاؤ! اللہ کی قسم محمد (ﷺ) ایسی سخاوت کرتے ہیں کہ فقر سے نہیں ڈرتے۔ (مشکوۃ، باب فی اخلاق وشمائلہ ﷺ فصل اول)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک کافر رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہوا۔ آپ کے حکم سے، اس کیلئے ایک بکری دوہی گئی وہ اس کا دودھ پی گیا، دوسری دوہی گئی وہ اس کا دودھ بھی پی گیا پھر ایک اور دوہی گئی وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ اسی طرح اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا۔ صبح جو اٹھا تو اسلام لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے لئے ایک بکری دوہی جائے وہ اس کا دودھ پی گیا پھر دوسری دوہی گئی مگر وہ اس کا دودھ تمام نہ پی سکا۔ رسول اللہ ﷺ سلم نے فرمایا کہ مومن ایک انتری میں پیتا ہے اور کافر سات انتریوں میں پیتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب المومن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعة امعاء)

اللہ عزوجل اپنے حسن اخلاق کے پیکر رسول علیہ السلام کے صدقے ہمیں بداخلاقی سے محفوظ رکھے اور ہمیں بھی اخلاق مصطفی علیہ السلام کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

☆☆☆

☆صدر المدرسین دار العلوم غریب نواز، جامع مسجد منڈلہ، ایم پی (بھارت) 9926714799,8319945574

قصد التواریخ ۱۴۴۲ھ　　　　لوح غلام آلِ رسول ۱۴۴۲ھ

آہ! بوفات حافظ محمد قمر الدین صاحب ۲۰۲۰ء

آہ! مالک رضوی کتاب گھر مالک وہّاب سے جا ملے ۲۰۲۰ء	مالک رضوی کتاب گھر مالک ہادی سے جا ملے ۲۰۲۰ء
آہ! اک پاسبانِ دیں وفدائے مسلک اعلیٰ حضرت چلے ۲۰۲۰ء	دین وملت کا بےلوث نوری خادم ۲۰۲۰ء
عاشق غوث چلے ۲۰۲۰ء	فدائے خواجہ غریب نواز چلا ۲۰۲۰ء
ناصر دین، عاشق امام احمد رضا جدا ۲۰۲۰ء	نماز اور روزے کے اچھے پابند حافظ صاحب مرحوم ۲۰۲۰ء
مرید مصطفیٰ رضا قمر الدین صاحب ۲۰۲۰ء	دین وملت کا بےلوث نوری خادم ۲۰۲۰ء

نتیجۂ فکر:
از متعلم جامعہ ہمدرد، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، دہلی۔ ۲۰۲۰ء
فارغ علوم شرعیہ از
۲۰۲۰ء

شریک الم کم مایہ محمد فیض عالم نعیمی
۲۰۲۰ء
درسگاہ علم شرعی مدرسہ انجمن جامعہ نعیمیہ مراد آباد
۲۰۲۰ء

ساکن: بھوڑے کا چوراہا، مبارک شہر مراد آباد، یوپی، دیش انڈیا۔ ۲۰۲۰ء

شرعی احکام

کورونا ویکسین میں ناپاک اجزا کا شمول تحقیق کے ساتھ معلوم نہ ہوتو

کورونا ویکسین حکومت کی عام منظوری کے بعد لگوا سکتے ہیں

مفتی محمد نظام الدین رضوی★

کرونا ویکسین کیا ہے؟ ایک ہے ''بیماری کا علاج'' اور ایک ہے ''بیماری سے بچاؤ'' علاج کے لیئے دوا استعمال کی جاتی ہے اور بچاؤ کے لئے ویکسین (VACCINE) ویکسین کو عام بول چال میں ''ٹیکا'' کہا جاتا ہے جو عموماً نارمل افراد اور بچوں کو لگایا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بیماری کے وائرس لاچار اور بے بس ہو جاتے ہیں۔

''کورونا ویکسین: یہ حقیقت میں ''کووِڈ-۱۹'' (COVID-19) نام کی بیماری کی دوا نہیں بلکہ اُس سے تحفظ اور بچاؤ کا ٹیکا ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ جس شخص کو یہ ٹیکا لگ جائے گا وہ باذن اللہ، کورونا وائرس کے باعث پیدا ہونے والے مرض سے متاثر نہ ہوگا۔ اگر ہوا، تو اس کا زور بہت ہلکا و معمولی ہوگا؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے بدن کا دفاعی نظام اتنا مضبوط اور فعال ہو جاتا ہے کہ جسم میں باہر سے آنے والے خطرناک وائرس اس کے مقابل بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں۔

''کووِڈ-۱۹'' (COVID-19) کی ہلاکت خیزی کے پیش نظر دنیا کے مختلف ممالک نے ویکسین بنانے اور عوام کو لگانے کی منظوری دے دی ہے، فی الحال منظور شدہ ویکسین کی تعداد نو-۹ تک پہنچ چکی ہے، حکومت ہند نے بھی دو کمپنیوں کو ویکسین بنانے اور لگانے کی منظوری دی ہے۔ البتہ یہ منظوری ابھی معالجین اور اُن کے معاونین کے لیے ہے، بعد میں سب کے لیے عام ہوگی۔

پہلی کمپنی 'بھارت بائیوٹیک' (BHARAT BIOTECH) حیدر آباد ہے، اس کے تیار کردہ ٹیکے کا نام ''کوویکسین'' (COVAXIN) ہے۔ یہ ویکسین پانچ اجزا کا مرکب ہے جن میں سے چار اجزا در حقیقت چار طرح کے کیمیکل ہیں اور پہلا جز ایک قسم کا ''غیر متحرک وائرس'' ہے جو کورونا وائرس کے خلاف کام کرتا ہے۔ دوسری کمپنی آکسفورڈ آسٹرازینیکا (OXFORD ASTRAZENECA) ہے۔ اس کمپنی نے ہندوستان کے شہر پونہ میں واقع سیرم انسٹی ٹیوٹ (SERUM INSTITUTE) کو اپنے فارمولے کے مطابق ویکسین بنانے کی اجازت دی ہے۔ اس کمپنی کی ویکسین کا نام ''کووی شیلڈ'' (COVISHIELD) ہے۔ کمپنی نے اس ویکسین کے اجزاے ترکیبی میں ایتھنول (ETHANOL) اور پولیسوربیٹ ۸۰ (POLYSORBAT 80) کو شامل کیا ہے۔

ایتھنول کا معنی انگریزی لغت کی مشہور کتاب ''آکسفورڈ'' ڈکشنری میں ''کیمیائی الکحل'' اور ''کنسائز'' ڈکشنری میں ''الکحل'' لکھا ہے۔ کوویکسین میں بھی فینوکسی ایتھنول (PHENOXY ETHANOL) نام کا ایتھنول شامل ہے جو نام سے الکحل کی ایک قسم معلوم ہوتا ہے، اس کا استعمال اشیا کو خراب ہونے سے بچانے کے لیے ہوتا ہے۔ اور الکحل آمیز دواؤں کا استعمال بوجہ عموم بلویٰ جائز ہے، مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے پوری تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے جسے ''مجلس شرعی کے فیصلے'' جلد اول، مطبوعہ مبارک پور میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور پولیسوربیٹ ۸۰ (POLYSORBAT 80) خنزیر سے بھی اخذ کیا جاتا ہے اور نباتات سے بھی۔ خنزیر سے اخذ کیا ہوا جز حرام ہے اور نباتات سے حاصل کیا ہوا حلال، فی الحال یہ تحقیق نہیں ہوسکی کہ کووی شیلڈ میں کون سا پولیسوربیٹ شامل ہے۔ ہاں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ہمیں یہ نہیں معلوم ہے کہ پولیسوربیٹ خنزیر کا جز ہے، ہوسکتا ہے نباتات کا جز ہو۔

شرعی احکام: ''کورونا ویکسین'' ہو یا کوئی بھی نئی دوا، اس کا حکم شرعی جاننے کے لیے بنیادی طور پر دو باتوں کا علم ضروری ہے:

ایک: یہ کہ ویکسین کے سارے اجزاے ترکیبی پاک ہیں یا ان میں کچھ ناپاک و حرام لعینہٖ بھی ہیں۔ دوسرا: ویکسین کا ایڈورس ایفیکٹ یا منفی اثر معمولی ہے یا سنگین یا انتہائی سنگین۔ معمولی اثر: جیسے ٹیکے کی جگہ پر سوجن، ہلکا بخار، جسم میں درد، گھبراہٹ۔ سنگین منفی اثر: جیسے شدید بخار، شدید الرجی، مگر، ان کے دور رس اثرات نہیں ہوتے اور اسپتال جانے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ انتہائی سنگین منفی اثر: اس میں اسپتال جانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور بعض کیسیز مایوس کن بھی ہوسکتے ہیں۔

(۱) ویکسین کا حکم اجزاے ترکیبی کے لحاظ سے: پہلی بات کا علم

کمپنی یا اس کے متعلقہ افراد کے بتانے سے ہوتا ہے اور دونوں کمپنیوں نے اپنے ویکسین کے اجزاے ترکیبی اپنے اپنے ویب سائٹ پر شائع کر دیے ہیں مگر ان سے جزم ویقین کے ساتھ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان میں کوئی چیز ناپاک یا حرام لعینہ ہے۔ اس لیے حکم جواز کا ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: قال الإمام محمد بن الحسن الشيباني: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا حراماً بعينه، وهو قولُ أبي حنيفة رحمه الله تعالى وأصحابه. كذا في الظهيرية (الفتاوى الهندية، ج:٥:، ٣٤٢، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافة، دار الكتب العلمية، بیروت، لبنان)

امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں کہ جب تک کسی چیز کے بارے میں ہمیں یہ نہ معلوم ہو کہ وہ حرام لعینہ ہے، ہم اسے حلال مانتے ہیں، یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ کا ہے۔

شریعت طاہرہ کا ضابطہ ہے کہ جس چیز کی نجاست وحرمت معلوم نہ ہو وہ پاک وحلال ہے؛ کیوں کہ مدارِ نجاست علم پر ہے اور مدارِ طہارت، نجاست سے لاعلمی پر۔ یوں ہی مدار حرمت علم پر ہے اور مدارِ حلت، حرمت سے لاعلمی پر۔ ماہر قانون اسلامی، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ ”ایام وبا میں گورنمنٹ کی طرف سے جو دوا کنوؤں میں واسطے اصلاح، پانی کے ڈالی جاتی ہے اور رنگ پانی کا سرخ ہو جاتا ہے اور ذائقہ میں بھی فرق آجاتا ہے وہ پانی طاہر اور قابل پینے اور وضو کے ہے یا نہیں۔“

آپ نے اس کے جواب میں ارقام فرمایا کہ ”جب تک نجاست کا علم نہیں پانی طاہر مُطہر ہے کہ اصل اشیا میں طہارت ہے۔ یوں ہی جب تک حرمت کا علم نہیں پانی حلال ومشروب ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۵۴۹، بابُ المیاہ، فصل فی البئر، رضا اکیڈمی)

ایک دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں ”حکم پاکی کا ہے“ جب تک نجاست یقیناً نہ معلوم ہو۔“ (ایضاً: ص:۵۶۸)

ویکسین تین طرح کی ہوسکتی ہے: ایک: وہ ویکسین جس کے فارمولا کا اعلان دوا ساز کمپنی نے کر دیا ہے اور وہ سب اجزا پاک وحلال ہیں۔ دوسری: وہ ویکسین جس کا فارمولا کمپنی نے شائع نہیں کیا، نہ کسی اور ذریعہ سے جزم ویقین کے ساتھ یہ معلوم ہوسکا کہ اس کا کوئی جز ناپاک یا حرام ہے۔ تیسری: وہ ویکسین جس کے بارے میں کمپنی نے اعلان کر دیا ہے کہ اس میں مثلاً خنزیر کا کوئی جز شامل ہے۔ خنزیر کا جز تو بلاشبہہ مذہب اسلام میں ناپاک وحرام ہے مگر مجھے فی الحال کسی ایسی ویکسین اور کمپنی کا علم نہیں، اس لیے اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

پہلی قسم کی ویکسین کا استعمال جائز ودرست ہے کہ کورونا وائرس کے ممکنہ خطرات سے تحفظ کے لیے مفید ومؤثر ہے جو شرعاً مطلوب ومباح ہے۔ دوسری قسم کی ویکسین کا استعمال بھی جائز ودرست ہے کہ ویکسین کا تعلق باب علاج سے ہے جو شرعاً مباح ہے؛ اس لیے صرف ناپاک چیز کی آمیزش کے شبہہ سے اسے حرام نہیں قرار دیا جاسکتا کہ اصل حلت وطہارت ہے۔ ماہر قانون اسلامی امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی ایک کتاب الأحلیٰ من السکر میں چند شرعی ضوابط کے ذریعہ اس طرح کے مسائل کے احکام پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے ہم یہاں اس کے چند اقتباس پیش کرتے ہیں:

حضرت حق جلّ وعلا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع ونفس الامر میں طاہر وحلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطۂ قدرت سے وراہے۔ قال الله تعالیٰ: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، الآیۃ:۲۸۶) ترجمہ: اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا، مگر اس کی طاقت بھر۔ نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شے برتیں جسے ہم اپنے علم ویقین کی رُو سے طیب وطاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرج عظیم ہے اور حرج مدفوع بالنص، قال تعالیٰ: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (القرآن الحکیم، سورۃ الحج:۲۲، الآیۃ:۷۸) ترجمہ: اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ وقال تعالیٰ: يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، الآیۃ:۱۸۵) ترجمہ: اللہ تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمھارے ساتھ دشواری نہیں چاہتا۔

اے عزیز! یہ دین بحمد اللہ آسانی وسماحت کے ساتھ آیا جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لیے ہمیشہ رفق ونرمی ہے اور جو تعمق وتشدد کو راہ دے گا یہ دین اُس کے لیے سخت ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اٹھائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إن الدين يسر ولن يشادَّ الدين أحدٌ إلا غلبه فسدِّدوا وقاربوا وابشروا. أخرجه البخاري والنسائي

عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه۔ وصدره عند البيهقي في شعب الإيمان بلفظ: "الدين يسر ولن يغالب الدين أحد إلا غلبه"۔ وأخرج أحمد والنسائي و ابن ماجة و الحاكم بإسناد صحيح عن ابن عباس رضي الله تعالى عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم. إيّاكم و الغلو في الدين فإنما هلك من كان قبلكم بالغلو في الدين۔

(ترجمہ: بے شک دین آسان ہے اور ہرگز کوئی شخص دین میں سختی نہ برتے گا مگر وہ اس پر غالب آجائے گا تو درست روی اپناؤ اور درستگی کے قریب رہو اور خوش خبری دو۔ اسے بخاری اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور شعب الایمان میں امام بیہقی نے یہ الفاظ نقل کیے: دین آسان ہے اور جو کوئی دین پر غالب ہونا چاہے (کہ شدت پر قائم رہے) تو دین اس پر غالب ہو جائے گا۔ امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ''دین میں غلو کرنے سے بچو؛ کیوں کہ تم سے پہلے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔'' ن)

بلکہ صرف اس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال وطیب ہو اور اُسے مانع ونجاست کا عارض ہونا ہمارے علم میں نہ ہو لہٰذا جب تک خاص اس شے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مظنۂ قویہ حظر وممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش وتحقیقات کی بھی حاجت نہیں مسلمان کو روا کہ اصل حل وطہارت پر عمل کرے اور یُمکن ویحتمل و شاید ولعل کو جگہ نہ دے۔

في الحديقة: لاحرمة إلّا مع العلم لأنّ الأصل الحِلُّ ولايلزمه السؤالُ عن شيء حتى يطلع على حرمته و يتحقّق بها فيحرم عليه۔ ح اه ملخصا

وفيها عن جامع الفتاوى: لايلزم السؤال عن طهارة الحوض مالم يغلب على ظنه نجاسته وبمجرد الظن لايمنع من التوضّئ۔ لأن الأصل في الأشياء الطهارة. اه۔

امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ ایک حوض پر گزرے عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ تھے، حوض والے سے پُوچھنے لگے، کیا تیرے حوض میں درندے بھی پانی پیتے ہیں؟ امیر المؤمنین نے فرمایا: اے حوض والے! ہمیں نہ بتا۔

مالكٌ في مؤطاه: عن يحيى بن عبدالرحمٰن أن عمر رضي الله تعالیٰ عنه خرج في رَكب فيهم عمرو بن العاص رضي الله تعالیٰ عنه حتى وردوا حوضاً فقال عمرو: ياصاحب الحوض! هل ترد حوضك السباع؟ فقال عمر بن الخطاب: ياصاحب الحوض! لاتخبرنا، فإنا نرد على السباع و ترد علينا۔ قال سيدي عبدالغني: ولعله كان حوضاً صغيرا وإلا لما سأل اه ملخصًا۔ وقال تحت قوله: "لاتخبرنا" أي ولو كنت تعلم أنه ترد السباع، لأنا نحن لانعلم ذلك، فالماء طاهر عندنا فلو استعملناه لاستعملنا ماءً طاهرا ولايكلف الله نفساً إلّا وسعها اه

(الأحلىٰ من السّكر، لطلبة سكر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲، ص:۱۰۶، ۱۰۷، كتاب الطهارة/باب الأنجاس/مقدمه عاشره، رضا اکیڈمی، ممبئی۔)

اس میں شک نہیں کہ شبہہ کی جگہ میں تفتیش وسوال بہتر ہے جب اس پر کوئی فائدہ مترتب ہوتا سمجھے، في البحر الرائق عن السراج الهندي عن الفقيه أبي الليث: ان عدم وجوب السؤال من طريق الحكم۔ وان سأل كان احوط لدينه۔ (ایضاً، ص:۱۱۱)

احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیق بالغ وثبوت کامل کسی شے کو حرام و مکروہ کہہ کر شریعت مطہرہ پر افترا کیجیے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے حاجت مُبین خود مُبَیَّن۔ سیدی عبدالغنی بن سیدی اسمٰعیل قدس سرہما الجلیل فرماتے ہیں:

ليس الاحتياط في الافتراء على الله تعالى باثبات الحرمة أو الكراهة اللذين لابدلهما من دليل، بل في القول بالإباحة التي هي الأصل وقد توقف النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في تحريم الخمر أمّ الخبائث حتى نزل عليه النص القطعي اه وآثره ابن عابدين في الأشربة مقرا۔

بازاری افواہ قابل اعتبار اور احکام شرع کی مناط ومدار نہیں ہو سکتی بہت خبریں بے سروپا ایسی مشتہر ہو جاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں، یا ہے تو بہزار تفاوت، اکثر دیکھا ہے ایک خبر نے شہر میں شہرت پائی اور قائلوں

سے تحقیق کیا تو یہی جواب ملا کہ سنا ہے، نہ کوئی اپنا دیکھا بیان کرے، نہ اُس کی سند کا پتا چلے کہ اصل قائل کون تھا جسے سُن کر شدہ شدہ اس اشتہار کی نوبت آئی۔ (ایضاً ص: ۹۰،۹۱، مقدمہ ثالثہ ومقدمہ رابعہ)

فتاوی رضویہ کے یہ اقتباسات احادیث نبویہ اور فقہی تصریحات پر مبنی ہیں، ان سے یہ امر بخوبی منقح ہوجاتا ہے کہ افواہ پر حکم شرعی کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، یوں ہی کسی پاک وصاف چیز کو صرف شک کی بنا پر حرام نہیں قرار دیا جاسکتا۔ علاج اور دوا میں اصل حلت وطہارت ہے؛ لہٰذا جب تک یقین سے یہ نہ معلوم ہوجائے کہ فلاں دوا میں خنزیر کا جز یا کوئی ناپاک چیز شامل ہے اسے حرام وناجائز نہیں کہا جاسکتا بلکہ اسے پاک وحلال مانا جائے گا، لہٰذا اس کا استعمال جائز ودرست ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ویکسین کا حکم منفی اثرات کے لحاظ سے:

کوئی نئی ویکسین ہو یا دوا، تیار ہونے کے بعد اسے تجربات کے مختلف مراحل سے گزارا جاتا ہے اُسے کلینکل ٹرائل کہتے ہیں، اِن تجربات کے ذریعہ یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ ویکسین سے بدن کے دفاعی نظام میں مثبت ردعمل پیدا ہوتا ہے یا ناخوش گوار منفی اثرات پیدا ہوتے ہیں، آخری مرحلے کا تجربہ بھی کامیاب ہوتا ہے تو حکومت اس کے استعمال کی عام منظوری دے دیتی ہے، اس لیے جب آخری دور کے تجربے کے بعد حکومت ویکسین لگانے کی عام منظوری دیدے تو کورونا ویکسین لگوانے کی اجازت ہوگی۔ کوئی تقوی کے لیے بچے تو اس کی مرضی۔ ہاں اِلرجی والے اور حاملہ وغیرہا کو ویکسین لگوانا ممنوع ہے، لہٰذا وہ ضرور بچیں کہ جو چیز از روے طب مضر ہے وہ شرعاً ممنوع ہے۔

یہی حکم ان تمام ممالک کا ہے جہاں حکومت نے ویکسین لگوانے کا اذن عام دے دیا ہے اور اس میں ناپاک اجزا کا شمول تحقیق کے ساتھ معلوم نہیں ہے۔ یہ حق ہے کہ کورونا وائرس کے مرض نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے، دنیا بھر میں اس موذی مرض سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد بائیس لاکھ سے متجاوز ہوچکی ہے جب کہ اس کے متاثرین کی تعداد دس کروڑ، بیس لاکھ سے زیادہ ہوچکی ہے، ظاہر ہے کہ اس کے باعث لاکھوں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم وبے سہارا ہوچکے ہیں، مگر ان سب کے باوجود کورونا ویکسین ایسے بیماروں کا علاج نہیں ہے جو کورونا وائرس کے جان لیوا حملے سے موت وحیات کی کشمکش اور اضطرار کے نازک ترین حال میں ہوں، بلکہ ویکسین عموماً نارمل انسانوں کو لگائی جاتی ہے جس کا مقصد موذی وائرس کے ممکنہ خطرات سے تحفظ وبچاؤ ہے۔ اس لیے ویکسین لگانے کے وقت اضطرار وضرورتِ شرعی کا تحقق قطعاً نہیں ہوتا، بلکہ عموماً یہ درجۂ منفعت میں ہوتا ہے اور مخصوص حالات میں مخصوص لوگوں کے لیے درجۂ حاجت میں بھی ہوسکتا ہے، مثلاً: کورونا کی وبا عام ہو تو مریضوں کا علاج اور ان کی دیکھ بھال کرنے والے ڈاکٹروں، نرسوں، تیمارداروں نیز کھانسی، شوگر، کِڈنی اور سانس کے مریضوں اور کمزور بوڑھے اور بچوں کے لیے ویکسین کی حاجت شرعی ہوگی، ورنہ عام حالات میں عام انسانوں کے لیے شرعی اصطلاح کے مطابق یہ ویکسین منفعت کے درجے میں ہوگی جس کے لیے کوئی محظور شرعی یا حرام لعینہٖ حلال نہیں ہوتا، ضرورت، اضطرار، حاجت، منفعت، زینت وغیرہ کا تعارف راقم کی کتاب ''فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول'' میں ہے۔ اس لیے ضرورت شرعی یا اضطرار کا سہارا لے کر کسی حرام لعینہٖ اور ناپاک چیز کو حلال نہیں قرار دینا چاہیے۔

خلاصۂ کلام: (۱) کورونا ویکسین نارمل انسانوں کو مہلک وائرس کے ممکنہ خطرات سے تحفظ کے لیے لگائی جاتی ہے، ایسا نہیں کہ اُس وقت وہ کورونا کے جان لیوا حملے سے مغلوب ومُضطر ہو چکے ہوں اور ویکسین لگانے سے بچ جائیں۔ (۲) کسی ملک کے ویکسین میں ناپاک جز کا شمول تحقیق کے ساتھ معلوم ہو تو وہاں کے لوگ ایسی ویکسین سے بچیں اور وقتِ حاجت پاک ویکسین تلاش کر کے لگوائیں اور پاک ویکسین تو عام حالات میں بھی لگوانے کی اجازت ہے۔ یوں ہی جس ویکسین میں کسی ناپاک چیز کی آمیزش کی تحقیق اور جزم نہ ہو اُسے بھی لگوا سکتے ہیں۔ یہ حکم تمام ممالک کے لیے ہے۔ (۳) ہندوستان میں دو کمپنیوں نے ''کوویکسین'' اور ''کووی شیلڈ'' نام سے ویکسین تیار کی ہے اُن میں ناپاک اجزا کے شمول کی تحقیق نہیں، لہٰذا لگوا سکتے ہیں، البتہ جن لوگوں کو ویکسین لگوانا طِباً ممنوع ہے وہ بچیں۔ (۴) یہ اجازت حکومت کی طرف سے عام منظوری ملنے کے بعد دی جاتی ہے تاکہ یہ اطمینان ہو کہ یہ ویکسین کسی سنگین منفی اثر سے محفوظ ہے۔ **هذا ما عندي والعلمُ بالحقّ عند ربّي، وهو تعالىٰ أعلم وعلمُه جلّ مجدهٗ أتمّ وأحكم۔**

☆☆☆

کَتَبَہٗ: محمد نظام الدین رضوی، خادم الافتاء بالجامعۃ الاشرفیہ، مبارک فور
۱۸/ جمادی الآخرہ ۱۴۴۲ھ ۱/ فروری ۲۰۲۱ء

عقیدہ ونظریہ

اب ایمان کے ارکان کی تحقیق وتفصیل لازمی ہے

حضرت کا معنی، ایمان اور مومن نہیں ہوتا

اے ایمان والو! ایمان لاؤ! کی قرآنی تعلیم پر یقین رکھنے والے داعی اور مبلغین، اِس قدر ''کفر'' پر زور کیوں دینے لگے؟

محمد ظفر الدین برکاتی★

''حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے والد محترم کو ''حضرت ابوطالب'' تو بہر حال کہہ سکتے ہیں اور لکھ بھی سکتے ہیں کیونکہ وہ محسن ہیں پیغمبر اسلام کے، وہ حامی وخیر خواہ تھے حضرت محمد رسول اللہ کے، انہوں نے پرورش کی اور دیکھ بھال کیا ہے محمد ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب کا، وہ شوہر ہیں فاطمہ بنت اسد کے جو محسنہ تھیں محمد رسول اللہ کی، والد محترم ہیں حضرت علی مرتضیٰ کے جن کے نام نامی کو آج بھی ہر جمعہ اور عید و بقر عید کے دن خطبے میں پڑھا جاتا ہے :علی ابن ابی طالب اور محسن وحامی اور خیر خواہ ہونے کے لئے مومن ہونا ضروری نہیں، البتہ وہ کردار وعمل سے مسلمان ضرور تھے بلکہ ان کے ایمان کی کھوج لگانے والے ہزاروں کروڑوں مسلمانوں سے بہتر مسلم کردار والے انسان تھے کیونکہ پیغمبر اسلام کے فرمان کے مطابق مسلم وہی ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مومن مسلمان محفوظ و مامون رہیں یعنی جس کے شر وفساد سے محفوظ رہیں۔ اِس طرح دیکھا جائے تو حضرت ابوطالب بے شمار با کردار مسلمانوں سے بہتر ہیں کیونکہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان وکردار کی بدولت بے شمار صحابہ کرام کافروں، مشرکوں اور منافقوں کے شر وفساد سے برسوں محفوظ رہے۔ (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم)

البتہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان بالقلب کے اعلان اور تصدیق باللسان کے اظہار کی تصدیق، تاریخ سے نہیں ہوتی، کم از کم ہم نے نہیں دیکھی ،اس لئے ہم اُن کے مومن ہونے کی بات نہیں کرتے تاہم اُن کے مومن نہ ہونے یا کافر ہونے کی ہم وکالت بھی نہیں کرتے اور نہ کبھی کریں گے بلکہ اِس سلسلے میں کسی بحث سے ہمیں بالکل بھی کوئی دلچسپی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت اور عقل سلیم عطا فرمائے۔ آمین''

مذکورہ بالا عقیدے کو ہم نے دو ہفتے پہلے ایک مومن بھائی کے جواب میں فیس بک پر لکھا تو بے شماروں نے پسند کیا لیکن اپنے ہی چند احباب نے نا پسند بھی کیا جب کہ چند احباب نے تگڑی مزاحمت کی اور چند احباب نے پردے کی اوٹ سے خبر گیری شروع کر دی۔ ہم نے بہتر سمجھا کہ اہل علم قارئین کے سامنے بھی اپنی اِس فکر وعقیدہ کو رکھ دیں تا کہ مشاہدہ اور مطالعہ کے بعد اُن کی طرف سے حاصل ہونے والے تاثرات و ہدایت ناموں سے ہماری معلومات میں اضافہ ہو۔ مزید گفتگو سے پہلے یہ بات ہمیں اپنے ذہن میں محفوظ کر لینا چاہئے کہ ''حضرت'' کا معنی، ایمان اور مومن نہیں ہوتا، کہ کسی مومن کے لئے مسئلہ اور ہنگامہ کھڑا کر دیا جائے حالاں کہ ''حضرت'' کہنے والے بھی مومن ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ محض احترام کے لئے حضرت کہہ دیتے ہیں۔

فیس بک پر ہمارے ایک ہم جماعت ساتھی نے لکھا ہے کہ ''سسر جی کو بھی دِکھا کر تصدیق کروا لیتے'' ہم نے وجہ دریافت کی تو کہا کہ ''بھائی صاحب ! کچھ جملے قابل گرفت ہیں اور اُن سے بہتر فقہ وافتا میں ماہر فی الوقت میری نظر میں کوئی نہیں، اسی لئے عرض کر دیا۔ دل شکنی ہوئی ہو تو معذرت'' موصوف ہم جماعت تھے اس لئے ہم نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ ''یاد رکھیں جناب والا کہ یہ خسر محترم کی ایمانی یقینی اور تحقیقی سوچ کا ہی ظاہرہ ہے کہ آپ یہ ایمانی جسارت دیکھ رہے ہیں'' ایک دوسرے صاحب کیا خوب فرماتے ہیں:

عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا ،جو وہ ٹانکا تو یہ اُدھڑا

ایسے استضلال پر کون نہ مرجائے اے خدا لکھتے ہیں مگر دماغ میں سسرال تک نہیں

یہ کوئی احسان احمد صاحب ہیں۔ احسان احمد جیسے صاحبان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ایمان وعقیدے کا مسئلہ ہے، اِس میں گھر سسرال کا کیا لینا دینا ؟اس لئے آپ حضرات اپنے لب و لہجے میں تبدیلی پیدا کریں اور عالم دین ہیں تو عالمانہ تیور کا مظاہرہ کریں۔ البتہ یہ عرض کرنا بہتر سمجھتے ہیں کہ احسان احمد صاحب نے اپنی استضلالی کیفیت سے ماحول کو خوش گوار بنا دیا ہے۔ یہاں دست بستہ عرض ہے کہ ہماری ذاتی سوچ اور فکر وعقیدہ سے ہمارے استاد و خسر محترم بے خبر نہیں کہ ہر بات پر اُنھیں دِکھانے کی دہائی دی جاتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُنھیں ہمارے ایمان وعقیدہ پر مکمل اطمینان ہے، اس لئے آپ

حضرات کو بے اطمینان ہونے کی ضرورت نہیں۔خیر!ہم نے احباب کے خیالات کو آگے اُن کے نام سے بیان کر دیا ہے اور قوسین میں ان کا نام لکھ دیا ہے۔

''ہم تو بھائی ایمان کے قائل وحامی ہیں کہ یہی محققین مشائخ کا مذہب مہذب ہے۔البتہ جو اُس کے برخلاف رائے رکھتے ہیں ان کا بھی احترام کرتے ہیں اور اُنہیں کچھ نہیں کہتے۔البتہ بعض نادان، ایمان کے قائلین کو کافی سخت سست سناتے ہیں۔'' (شہباز عالم مصباحی)

''کیا یہ حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمۃ والرضوان کا مذہب مہذب نہیں ہے؟ اُن محققین مشائخ کی فہرست دیں جو، ایمان کے قائل تھے۔'' (نوشاد اشرفی) ''اِس موضوع پر باضابطہ عربی اور اردو زبان میں تصانیف موجود ہیں، پڑھ لیں۔مخالف رائے کا احترام کرنے سے آپ نے کیا سمجھا ہے جو آپ نے سوال قائم کر دیا؟ مجھے یاد آتا ہے کہ لطائف اشرفی میں حضرت مخدوم پاک نے اپنا موقف بیان نہیں کیا ہے بلکہ دوسرے کا قول نقل کیا ہے جو کفر سے ہی متعلق ہے۔میں اپنی یادداشت پر مبنی یہ بات لکھ رہا ہوں۔ممکن ہے کہ اُس کے برعکس بھی ہو۔'' (شہباز عالم مصباحی) ''حضرت مخدوم پاک علیہ الرحمۃ والرضوان نے لطائف اشرفی اور اپنے مکتوبات شریف میں کفر کا موقف ہی بیان کیا ہے، کسی کا قول نقل نہیں کیا ہے۔آپ چاہیں تو تحقیق کر سکتے ہیں۔'' (نوشاد عالم اشرفی)

ہمارے مومن بھائی سلیم اشرف مجددی اور نوشاد عالم اشرفی صاحبان نے ہماری معلومات میں مزید اضافہ کیا ہے اور خوب چشم کشائی کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''میں محرر محترم سے عرض کروں گا کہ کوئی کافر، اسلام و مسلمین کا، ناصر و مددگار بن جائے تو اُس کے نام پر ''حضرت'' کیسے چسپاں کیا جا سکتا ہے؟ اور آپ نے جس حدیث پاک کو سنداً بیان فرمایا، وہ آپ کے مقصود مطلوب سے قطعاً تعلق نہیں رکھتی کیوں کہ حدیث مبارک میں نفس اسلام کے بعد اضافہ اسلام کی بات ہے: ای الاسلام افضل؟ قال من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔ (سلیم اشرف مجددی) موصوف آگے لکھتے ہیں:

صحابی رسول حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ''مطعم بن عدی'' نے بھی رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی بہت نصرت وحمایت کی تھی۔شعب ابی طالب میں محصوری کے دِنوں میں خفیہ طور پر بہت امداد کی تھی اور اہل ایمان کی محصوری اور بائیکاٹ سے متعلق دستاویز جو کفار قریش نے کعبے پر معلق کر رکھی تھی اُسے مطعم بن عدی نے پھاڑ دیا تھا۔رسول اللہ ﷺ کی طائف سے واپسی کے بعد مطعم بن عدی ہی نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی ضمانت وحفاظت پیش کی۔حاصل یہ کہ انھوں نے طرح طرح سے ہر مشکل موقع پر رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کی نصرت وحمایت اور اعانت کی۔یہاں تک کہ جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا، اور اُن بدبوداروں (کافروں) کی سفارش کرتا تو میں اُس کی سفارش قبول کر لیتا'' مگر اللہ کی مشیت کہ مطعم بن عدی ایمان نہیں لائے اور کفر کی حالت میں ہی دنیا سے چلے گئے۔کیا اُن کی نصرت وحمایت اور اعانت وامداد کی وجہ سے انھیں بھی مسلمان قرار دیا جائے گا؟ کیا اُن کے نام کے ساتھ بھی ''حضرت'' استعمال کرتے ہوئے انھیں ''حضرت مطعم بن عدی'' کہا جائے گا؟ اُن کے نام کے ساتھ ''حضرت'' استعمال کرنے سے اُن کے بارے میں عوام کے دلوں میں کیا راسخ ہوگا؟ ظاہر ہے ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ یہ صحابی ہیں۔یہی حال ابوطالب کے معاملے کا بھی ہے۔ٹھنڈے دل سے غور کریں۔جذباتیت بسا اوقات صحیح نتیجے تک پہنچنے نہیں دیتی، اس لئے سنجیدگی سے غور کریں۔امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

رُوِی أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيّ وبن خُزَيْمَة وبن الْجَارُودِ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا مَاتَ أَبُو طَالِبٍ. قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ قَالَ اذْهَبْ فَوَارِهِ. قُلْتُ إِنَّهُ مَاتَ مُشْرِكًا فَقَالَ اذْهَبْ فَوَارِهِ... الْحَدِيثَ وَ وَقَفْتُ عَلَى جُزْءٍ جَمَعَهُ بَعْضُ أَهْلِ الرَّفْضِ أَكْثَرَ فِيهِ مِنَ الْأَحَادِيثِ الْوَاهِيَةِ الدَّالَّةِ عَلَى إِسْلَامِ أَبِي طَالِبٍ وَ لَا يَثْبُتُ مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب، حدیث نمبر ۳۷۰۴)

امام نسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر تفضیلی وتبرائی اپنی جان چھڑکتے ہیں وہ بھی اِس حدیث شریف کو بیان کر رہے ہیں اور اُن کا بھی یہی موقف ہے (کہ حضرت ابوطالب کی موت، کفر وشرک پر ہوئی ہے) اب کیا فرمائیں گے وہ تمام حضرات؟'' سلیم اشرف مجددی کا یہ سوال بہت اہم ہے۔

ہم جواب نہیں بلکہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مَاتَ مُشْرِكًا کی تحقیق کرنے کی ہم نے کوشش کی لیکن یہ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے کہ حضرت ابوطالب نے کبھی خاص مشرکانہ عمل ''بت پرستی'' کی ہے کہ نہیں۔اگر بت پرستی کا عمل ثابت ہوجاتا ہے تو ''ظلم عظیم'' کی تصدیق بھی ہوجائے گی اور عدم ایمان متحقق ہے ہی اور صوفیہ، کفر کے ثبوت کے طور پر ''عدم ایمان'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور یہی ہمارا عقیدہ اور موقف ہے۔ہاں! تفضیلی اور تبرائی کا

تذکرہ یہاں عجیب لگ رہا ہے جس کی یہاں بالکل بھی ضرورت نہیں تھی۔

نوشاد عالم اشرفی نے مزید لکھا ہے کہ ''گجرات کے دنگوں میں تیستا سیتلواڑ نے مسلمانوں کی بڑی مدد کی آپ اُنہیں بھی اور دیگر ہندو حضرات جو مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں، سب کو ''حضرت'' کہیں گے؟ یا ''جناب'' پر ہی اکتفا کریں گے؟ حضرت کہنے والے کہیں بعد میں ''رضی اللہ عنہ'' نہ کہنے لگیں، یہ بھی سامنے رکھیے۔ اِس لئے منہج جمہور ہی میں عافیت ہے اور ایسے الفاظ کے استعمال پر غور کیا جائے جو بعد میں فتنہ کا سبب بنیں۔'' (قارئین یہاں ''ہند وحضرات'' کی تعبیر یاد رکھیں)

ہمارے احباب اور مخاطب صاحبان، تعلیم یافتہ اور بالغ نظر حضرات ہیں، انھیں یہ خوب معلوم ہے کہ کچھ الفاظ وتعبیرات غیر اختیاری اور غیر شعوری بھی ہوتے ہیں جو، غور کرنے کے بعد غیر اسلامی اور غیر علمی قرار پاتے ہیں اور احساس کے بعد ہوش یار آدمی بآسانی اپنی غلطی کو تسلیم کر لیتا ہے جیسے ''ہندوحضرات'' کی اصطلاح ۔اگر ہمارے برصغیر کے معروف مسلم سماج میں ''ہندو'' کافر ومشرک کو ہی کہتے ہیں تو پھر ''حضرات'' کا تقدس مآب لفظ ،اس کے لئے ''اضافی صفت'' کے طور پر کس دلیل اور جزیہ کی بنیاد پر استعمال کیا گیا ہے؟ اگر علاقائی کثیر مذاہبی ثقافت کے تناظر میں بھارت کی ''مشترکہ معاشرت'' اور ''سماجی صلح کلیت'' کے تحت ''ہندوحضرات'' کہہ سکتے ہیں تو پھر ''پیغمبر اسلام کے محسن'' کو ''حضرت ابوطالب'' کیوں نہیں کہہ سکتے؟

معلومات میں اضافہ کے لئے ہم نوشاد عالم اشرفی کے شکر گزار ہیں اور عرض گزار ہیں کہ کفارِ قریش کی دشمنی اور ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی، یہ دونوں باتیں گجراتی معاملے اور بھارتی مسلمانوں کے بہت سے سیاسی اور سماجی مسائل سے بالکل مختلف ہیں، پس منظر الگ ہے اور صورت حال جداگانہ ہے، دونوں کی نوعیت ہی الگ تھلگ ہے، اس لئے ''بے جوڑ حضرت'' کی بات کرنا یہاں غیر موزوں اور بے محل ہے۔ مزید عرض ہے کہ ''جناب'' کا لفظ بہت اچھی جگہ اور محترم ومقدس ذات کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں جیسے ''جناب'' احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی طرح ''حضرت'' کا لفظ بھی مقدس ومحترم ہے جسے بہت سے مسلم اور معزز غیر مسلم کے لئے بھی استعمال کر دیتے ہیں، اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ اُسے نبی محترم رسول رحمت اور اپنے اسلاف کے لئے استعمال نہ کریں۔ خلاصہ یہ کہ ''حضور'' ﷺ اور ''حضرت'' رسالت مآب ''جناب'' محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات سے عقیدت ومحبت اور آپ کی ذات وشیریں نام مبارک سے نسبت وتعلق کے سبب ان کے تقدس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان مقدس اور پاکیزہ الفاظ کو دوسروں کے لئے استعمال نہ کیا جائے حالاں کہ ہم اور آپ اِن الفاظ کو ہر کس و ناکس کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہر کس و ناکس کی بھی یہ شان نہیں کہ اُسے حضرت ابوطالب کی طرح ''حضرت فلاں'' کہا جائے اور ''حضور'' کا لفظ تو خوب ادھر اُدھر استعمال ہوتا ہے، اس لئے محض استعمال کی بنیاد پر کوئی استدلال مناسب نہیں۔

نوشاد عالم اشرفی نے امام ابن حجر عسقلانی کا قول نقل کرنے کے بعد سوال کیا ہے کہ ''حضرت شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ارشاد پاک کے بارے میں ہمیں کیا کہنا چاہیے؟'' جواب یہ ہے کہ ہمیں تو کچھ نہیں کہنا لیکن اِن سب کے باوجود ہم اپنے احباب کی اِس بات کو باوزن تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالب کہتے اور لکھتے لکھتے کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والی نسلیں ''رضی اللہ عنہ'' لکھنے لگیں لیکن سوال یہ ہے کہ صرف اِس اندیشے کی وجہ سے ''کافر'' لکھنے، کہنے اور ثابت کرنے میں اِس قدر دلچسپی کا مظاہرہ کیوں لازمی سمجھ لیا گیا ہے؟ ایسی دلچسپی کو دیکھ کر موجودہ اور آنے والی نسلیں کیا یہ نہیں کہہ سکتی ہیں کہ یاَیُّھا الذین آمنوا آمِنوا پر یقین رکھنے والی خیر امت، کسی مومن کو کفر وشرک سے (بہر حال) بچانے کے فرض منصبی سے بھٹکنے کیوں لگی؟ ایمان واسلام کی دعوت وتبلیغ کا منصب قبول کرنے والی مسلمانوں کی بڑی ''جماعت اہل سنت'' اِس قدر ''کفر'' پر زور کیوں دینے لگی ہے؟ ایمان واسلام کے باوجود، کفر کے شائبہ اور شوسہ گوشہ میں سے ''کفر صریح'' کو ہی ترجیح کیوں دینے لگی؟ ہر پل، ہر لمحے اور ہر وقت اُسے ''کفر'' ہی کیوں نظر آتا ہے؟ یہ قوم، ایمان واسلام کو دانستہ نظر انداز کر کے اچانک ''کفر'' سے کیوں بغل گیر ہو جاتی ہے؟ اپنے سامنے والے مومن کی بیان کردہ شریعت پر اپنی طبیعت کو ترجیح دینے کی ضد کیوں کرنے لگتی ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ ایمان ہی اصل ہے اور بنیادی عقیدۂ اسلام پر ہی اعمال ومعمولات کو قبولیت کا درجہ مل سکتا ہے لیکن اسلامی شریعت وطریقت میں جس عمل اور بے عملی کو ''کفر'' اور ''فارق وفاصل'' قرار دیا گیا ہے، اُسے کیوں بحث کا عنوان اور خطاب کا موضوع نہیں بنایا جاتا ہے؟ اِن سبھی اندیشوں پر توجہ نہیں دی جاتی ہے، کیوں؟

یعنی ارباب علم ونظر اور صاحبان فہم وبصیرت اِس پہلو پر بھی غور وفکر کریں کہ کب سے خیر امت کا ایمانی قبلہ، کفر پر زور دینے کی طرف تبدیل ہوا ہے اور کیوں ہمارے احباب کو ایمان واسلام سے زیادہ ''کفر'' نظر آتا ہے؟ ساتھ ہی ایمان کے ارکان کی تحقیق وتفصیل پر بھی کام کریں۔

یہ حسن اتفاق نہیں بلکہ ہماری خوش نصیبی کہئے کہ ہم سب حنفی ہیں اور جس طرح اعمال وافعال میں ان کی تقلید کرتے ہیں، اسی طرح ان کی فکر وعقیدہ کو بھی اپنی فکر وعقیدہ سمجھتے ہیں اور ماشاء اللہ اپنے امام کی سیرت سے بھی واقف ہیں۔ اس لئے ہم سب یہ بھی جانتے ہیں کہ

''حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حماد کو مناظرہ سے منع کیا۔ انہوں نے حضرت امام اعظم سے عرض کیا کہ آپ خود بھی تو مناظرہ کرتے ہیں! حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کب مخالف کوئی کفریہ بات کہے اور ہم اس کی گرفت کریں اور ہم مخالف کو ایسے موقع پر سنبھال لیتے ہیں اور اس کو اُس درجہ کی ضد سے بچا لیتے ہیں۔'' (تبیان القرآن، ج ۱، ص ۱۹۴)

اگر بیان کردہ مذکورہ بالا کردار ہمارے امام اعظم کا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ''سنبھال لیتے ہیں'' اور ''اُس درجہ کی ضد سے بچا لیتے ہیں'' کا حنفی نقش قدم ہمیں کیوں قبول نہیں؟ ہم تو سامنے والے کو اپنے ''مناظرانہ کردار'' سے مزید ضدی بنا کر، ایسا کر چھوڑتے ہیں کہ وہ سنبھلنے سنبھالنے کے قابل نہ رہ جائے اور جب سرحد کے قریب پہنچ جاتا ہے تو ''جہنمی، بدعقیدہ اور جہنم رسید'' کا بورڈ لگا دیتے ہیں تاکہ دوسرے اُدھر تاک جھانک نہ کر سکیں۔ مثالی حنفیت!

گزشتہ ماہ حضرت سلطان جی کے عرس کا خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ہم نے جنتی شاعر علامہ اقبال قلندر لاہوری کا شعر ''تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی'' فیس بک پر لکھ دیا تو ہمارے ایک منھ لگے ساتھی طفیل احمد مصباحی نے روایتی جسارت نگاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''شکوہ اور جواب شکوہ میں معاذ اللہ، اللہ رب العزت کی شان میں ''ہرجائی'' کے لفظ کا استعمال کوئی ''علم سے خالی علامہ'' ہی کر سکتا ہے اور اس کے نام نہاد... جس کا کام فیس بک پر فتنہ پھیلانا ہے۔ سخت بے ادبی و گستاخی ہے لیکن معاذ اللہ! ڈاکٹر اقبال نے اِس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا ہے اور افسوس کی بات ہے کہ ظفر الدین برکاتی جیسے ایڈیٹر خود کو فقیہ و محقق باور کراتے ہوئے اقبال کا دفاع کر رہے ہیں۔ اصل صلح کلیت تو یہی ہے۔''

اِس روایتی جسارت پر ڈاکٹر امتیاز احمد سرمدؔ رشیدی اور نوجوان شاعر طارق ابرار بریلوی نے فوری دریافت کیا کہ پھر اس شعر:

تنگ ٹھہری ہے رضاؔ جس کے لئے وسعت عرش
بس جگہ دل میں ہے اس جلوۂ ہرجائی کی

پر کیا حکم لگائیں گے آپ؟ یہ تحفۂ خاص قبول ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے بعد کوئی جسارت نظر نہیں آئی، البتہ اُسی وقت دوسرے پس منظر میں طفیل بھائی کہتے ہیں کہ ''کہاں احمد فراز کا شعر اور کہاں ڈاکٹر اقبال کا شعر؟ غزل میں اپنے محبوب کو ہرجائی کہیے! کون روکتا ہے آپ کو لیکن ڈاکٹر اقبال نے تو معاذ اللہ ڈائریکٹ اللہ تعالیٰ کو ''ہرجائی'' کہہ دیا ہے۔ پہلے اِس کا جواب دیں اور اِدھر اُدھر کی بات کر کے وقت ضائع نہ کریں اور نہ سید سراواں والوں کی بیجا حمایت کریں۔ پتہ نہیں یہ کیسے قلندر لاہوری تھے کہ زندگی بھر آپ کی پیاری سنت ''داڑھی'' سے دور رہے۔ (امام رازی کی تفسیر کبیر کی تعریف میں کہتے ہیں:) **وَفِی التفسیر الکبیر کل شیء سوا التفسیر۔**

مسیح وخضر سے اونچا مقام ہے تیرا، کفریہ شعر ہے۔ اِس شعر کے بارے میں، میں نے اپنے استاذ سے سنا ہے کہ شمس العلماء مصنف قانون شریعت علامہ شمس الدین جون پوری کہتے کہ ''اِس شعر سے اقبال کا کفر ثابت ہوتا ہے''

طفیل احمد مصباحی کی اِس بات پر آگ بگولہ ہوتے ہوئے ایک مومن بول اٹھا کہ ''یہ کیسے کہہ دیا آپ نے؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مومن کے کلام کو کفر سے بچانا اور صحیح محمل پر محمول کرنا ضروری ہے اور شرعی تقاضا ہے؟''

(عمران احمد ازہری، امام وخطیب رضا مسجد، ذاکر نگر)

یہاں داڑھی کی شرعی حیثیت پر بحث کا موقع نہیں لیکن داڑھی اور قلندر، میں کیا نسبت اور جوڑ ہے، اس کو سمجھنے کے لئے صوفیہ کی سیرت و تعلیمات اور کردار کا مطالعہ لازمی ہے، اس لئے اِس موضوع پر بھی مزید گفتگو کا موقع نہیں، صرف یہ عرض کرنا ہے کہ یقین ہی کو ایمان کہتے ہیں اور ہم یقین سے کہتے ہیں کہ طفیل بھائی کو علم الیقین ہے کہ ''یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا''، اور ہم اپنے علم الیقین سے اعلان کرتے ہیں کہ ''سنا ہے'' کی دلیل سے ''اقبال کا کفر ثابت'' کرنے والی فقہ وبصیرت ہمیں حاصل نہیں۔ (الحمد للہ)

اللہ تعالیٰ ایسی فقہ وبصیرت سے ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین

اپنے علاقائی، مشربی، جماعتی اور ہم جماعت احباب اور قارئین کے سامنے آج واضح لفظوں میں ہم اعلان کرتے ہیں کہ بروزِ قیامت اور قبر کی تاریک برزخی راہ داری میں جب ہم سے ہمارے ہی ایمان واسلام کا مواخذہ ہوگا تو پھر ہم مومنوں میں کفر کی بو، کیوں سونگھتے رہیں؟ کفر، بدگمانی کی کسی بھی سوچ کی حمایت کیوں کریں؟ ہمارا نعرہ یہ ہے کہ کفر کی وکالت بند کرو، ایمان کی وکالت اور اسلام کی تبلیغ شروع کرو! محمد ظفر الدین برکاتی (اور ہر مومن) ایمان و اسلام کا وکیل اور مبلغ ہے، کفر کا وکیل اور مبلغ نہیں، اس لئے کہ ہمیں اپنے علم وعقیدہ کی روشنی میں یہ معلوم ہے کہ کافر ومشرک سے ہی کفر وشرک کا مواخذہ

ہوگا، کسی مومن سے کفر وشرک کا مواخذہ چہ معنی دارد؟ اور سبھی جانتے ہیں کہ انسان یا تو مومن ہوتا ہے یا کافر ومشرک۔ اللہ تعالیٰ منافقت اور مداہنت کی برائی سے محفوظ فرمائے۔ آمین

آپ کو شاید حیرت نہ ہو لیکن ہمیں اُس وقت افسوسناک حیرت ہوتی ہے، جب کوئی یہ کہتا ہے کہ ''اقبال کے بہت سے اشعار سے کفر ثابت ہوتا ہے'' اِسی روایتی جسارت کے فیض یافتہ، طفیل بھائی کا یہ جملہ ہے کہ ''اِس شعر سے اقبال کا کفر، ثابت ہوتا ہے''، لیکن علامہ کے سیکڑوں اشعار سے ایمانی غیرت، اسلامی حمیت، مومنانہ جسارت اور صوفیانہ کرامت ثابت ہوتی ہے، کتنوں کے ایمان میں تازگی پیدا ہوجاتی اور کتنوں کی مومنانہ غیرت زندہ ہوجاتی ہے، یہ سب طفیل بھائی جیسے علمائے کرام نے کبھی دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن ''سنا ہے''، پر ''کفر کا ثبوت'' بن دیکھے مان لیا حالاں کہ بن دیکھے ایمان دار ہونا، تقویٰ شعار ہدایت یافتہ بندوں کی خوبی ہے۔ سورہ بقرہ کی دوسری آیت... **یومنون بالغیب** کا مومنانہ تقاضہ ہے کہ ایمان کے خلاف دلیل کو دیکھے بغیر کسی مومن کے ایمان کی تردید کا گناہ نہ کیا جائے کیوں کہ بن دیکھے ماننا ہی ایمان ہے اور داڑھی والا یا بن داڑھی کا قلندر ہی یہ قرآنی اسلام سمجھ سکتا ہے۔ داڑھی والا مولوی نما قلندر تو مومن کے مومنانہ کردار کو دیکھ کر بھی کفرانِ نعمت (ایمان) کرسکتا ہے۔

ایسے احباب اور حضرات کو دیکھ کر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ آج ہم پر دوہری مصیبت آن پڑی ہے۔ پہلی یہ کہ بڑی تیزی سے موقر، معزز، محترم، آل واولادِ رسول اور معروف ومقبول علمائے دین سے ہم محروم ہوتے جارہے ہیں۔ دوسری یہ کہ بڑی تیزی سے قرآن وسنت اور ایمان وعقیدۂ اسلامی کی روح اور قرآنی تقاضوں سے ناواقف افراد کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ اب اپنی نا سمجھی، غلط فہمی اور بدگمانی کی بنیاد پر اپنے بڑے بڑوں کی شان میں کھلی گستاخیاں کرنے اور نازیبا، بھونڈے اور نامناسب الفاظ والقاب کا استعمال کرنے والے افراد، آزاد ہوگئے ہیں۔ اِن دونوں مصیبتوں کو نظرانداز کرنے اور دوسری والی مصیبت کو اپنے لئے زحمت اور اپنے فریق وحریف کے لئے رحمت سمجھنے والے غفلت میں ہیں کہ ''دیکھ لیں گے'' حالاں کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اُن کے دیکھ لینے سے پہلے ہی ناسمجھ، بدگمان لوگ انھیں قاعدے سے دیکھ لیتے ہیں، اس لئے وقت پر دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

نہ دیکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کی بدگمان اور سیرت رسول وتعلیمات صوفیہ سے ناواقف نسل نے حضرت شیخ بدیع الدین قطب المدار مکن پوری علیہ الرحمۃ والرضوان کو حضرت غوث اعظم سے پہلے اور افضل بتانا، لکھنا، بولنا شروع کردیا ہے اور جو نہیں مانتا ہے، اُسے خارج اسلام کی سند عطا کردیتے ہیں۔ اسی طرح سید بدیع الدین اور شیخ بدیع الدین کا بھی جھگڑا ہے، انھیں سید نہ ماننے یا نہ لکھنے والوں کو مداری سادات، خدا، رسول کا دشمن قرار دیتے ہیں حالاں کہ سید ہونے کی ایک خوبی اور کرامت یہ بھی ہے کہ تحمل سے کام لیں اور بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہدایت کی دعا کریں لیکن یہاں بددعا بھی فرماتے ہیں اور جہنم میں بھی ڈھکیل دیتے ہیں اور کمال یہ ہے کہ اپنے علم وفہم کے مطابق ''سید نہ ماننے والے'' کے نام کا صفحہ ''دین اسلام کے دفتر'' سے پھاڑ کر پھینک بھی دیتے ہیں اور ہم سب یہ دینی تماشہ اور صوفی/بریلوی/مداری کا مسلکی/مشربی ہنگامہ دیکھتے رہتے ہیں اور خاموشی کا نفلی روزہ توڑنے کو حرام سمجھتے ہیں۔

ہم غلاموں کا شیوہ اور عقیدہ یہ ہے کہ اپنے آقاؤں اور سرکاروں کا قد، ناپنے کی جسارت نہ کریں، ہم غلام ہیں اور آقا تو سبھی آقا ہیں ان میں کون کس سے بڑا ہے اور کون افضل ہے، یہ طے کرنا ہرگز ہمارا کام نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ناپتے ناپتے، نپ جائیں اور آخرت خراب ہوجائے۔ ہم مانتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم بھی ہمارے آقا ہیں اور حضرت قطب المدار بھی ہمارے آقا ہیں اور ہم دونوں کے غلام ہیں اور غلام کو اپنے آقاؤں اور سرکاروں میں کون، کس سے افضل وبرتر ہے، کی پیمائش کا حق نہیں وہ غلام ہی کہاں جس نے اپنے سرکاروں کی پیمائش شروع کردی؟

اِس نادانی، غلط فہمی اور بدگمانی کا بھیانک انجام یہ بھی ہے کہ ایک طے شدہ سید، آل رسول کے انتقال پر بھی **انا للہ وانا الیہ رٰجعون** پڑھنے سے دانستہ کتراتے ہیں، پڑھ دیا ہے تو اعلانیہ اُس سے رجوع کرنے کی تشہیر کرتے ہیں اور تعزیت سے بھی رجوع کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور غیر شعوری طور پر حدیث پاک **اُذکُروا محاسِنَ مَوْتاکم** کا بھی انکار کرتے ہیں اور یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ ہر ایک کے مرنے پر **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجعون** نہیں پڑھتے۔ حالاں کہ کسی بھی دین ومذہب اور عقیدہ کو ماننے والے کی موت پر **انا للہ وانا الیہ رٰجعون** پڑھ سکتے ہیں۔ بلند آواز سے نہیں تو آہستہ پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ ترجیع الگ چیز ہے اور مغفرت الگ چیز ہے۔

لاکھ روکیں یہ اندھیرے مِرا رَستہ لیکن
میں جدھر روشنی جائے گی اُدھر جاؤں گا

☆☆☆

z.barkati@gmail.com

اصلاح معاشرہ — مظہر حسین علیمی

سنی دعوت اسلامی کا دوروزہ ۲۹واں آن لائن سالانہ اجتماع

سنی دعوت اسلامی کا سالانہ اجتماع جو آزاد میدان ممبئی میں ہوا کرتا تھا، کورونا وبا کی وجہ سے صرف آن لائن منعقد کیا گیا۔ اجتماع تین دن کی بجائے صرف دو دن کا تھا۔ اجتماع کو حج ہاؤس ممبئی کے پانچویں منزل سے آپریٹ کیا گیا۔ یوٹیوب اور فیس بک پر لائیو کیا گیا جسے اب تک لاکھوں مرد وخواتین سماعت کر چکے ہیں۔ اجتماع کا پہلا دن ۱۲ دسمبر سنیچر کا پہلا سیشن خواتین اسلام کے لیے مخصوص تھا، بعد نماز ظہر عالمی سالانہ سنی اجتماع کا آغاز حافظ وقاری محمد ریاض الدین اشرفی کی تلاوت اور معین المشائخ حضرت سید معین الدین اشرف الاشرفی الجیلانی (سجادہ نشین خانقاہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف) کی دعاؤں سے ہوا۔ معروف مبلغ الحاج محمد صادق رضوی کا ''عورت اور پردہ'' کے عنوان سے خطاب ہوا۔ امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری نے خصوصی خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

قرآن کے مطابق نیک عورتیں وہ ہیں جو فرماں بردار اور اپنے شوہروں کی عدم موجودگی میں بھی عزت وآبرو اور مال کی حفاظت کرتی ہیں جیسا کہ اللہ نے انھیں حکم دیا ہے۔ حدیث نبوی کی روشنی میں بتایا کہ نیک عورت وہ ہے کہ جب اس کا شوہر اُسے دیکھے تو اسے خوشی حاصل ہو اور جب شوہر کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی جان و مال میں شوہر کو ناپسند کام نہ کرے۔ آپ نے فرمایا کہ پاک دامنی بہت عظیم نعمت ہے، پاک دامن عورت اگر اللہ کی بارگاہ میں دعا کرے تو اللہ اس کی دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے۔ اہل مغرب ہماری ماؤں اور بہنوں کو عریاں اور بے غیرت بنانا چاہتے ہیں ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری مائیں اور بہنیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو مضبوطی سے تھام لیں۔ آپ نے خواتین سے تقوی اختیار کرنے اور گناہوں دور رہنے کی خصوصی تلقین کی۔ سورۂ طلاق کی ایک آیت کی روشنی میں یہ بھی کہا کہ ہر مشکل کا حل تقوی اختیار کرنے میں ہی ہے، ہماری جن بچیوں کا رشتہ نہیں مل رہا ہے وہ تقوی اختیار کر لیں اللہ بہتر رشتہ عطا فرمادے گا۔ اخیر میں آپ نے پانچ باتوں کی بطورِ خاص تلقین کی، اول: نمازوں کی پابندی کریں کہ اہم الفرائض ہے۔ دوم: سورہ کہف کی تلاوت ہر جمعہ کو ضرور کرلیا کریں۔ سوم: گناہوں سے بچنے کے لیے روزآنہ صبح دس بار سورۂ اخلاص کی تلاوت کی عادت بنالیں۔ چہارم: گناہ کی طرف طبیعت مائل ہو تو یہ خیال کریں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ پانچویں بات یہ کہ اپنی اولاد کی شریعت کی روشنی میں اچھی تربیت کریں۔

اس سے قبل مفتی محمد زبیر مصباحی (خطیب وامام بڑی مسجد مدن پورہ ممبئی) نے خواتین کی طرف سے آئے ہوئے سوالات کے جوابات دئے۔ ایک سوال کے جواب میں مفتی صاحب نے بتایا کہ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو یکساں حقوق دیے ہیں۔ عورت کے لیے باپ کے حصے سے بظاہر نصف حصہ ملتا ہے لیکن عورت جب بیاہ کر سسرال جاتی ہے تو شوہر کے یہاں بھی اسے حصہ ملتا ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ عقیقہ سنت ہے، عوام کا یہ تصور کہ نکاح سے قبل عقیقہ ضروری ہے غلط ہے۔ مفتی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ کسی عورت کے انتقال کے بعد صرف خواتین اور محرم ہی اسے دیکھ سکتے ہیں۔ غیر محرموں کو اسے دیکھنا جائز نہیں۔ آپ نے مرد وعورت کی نماز میں جو فرق ہے اسے بھی قدرے تفصیل سے بیان کیا۔ بعد مغرب دوسرا سیشن مرد حضرات کا شروع ہوا، مفتی شفیق الرحمن عزیزی مصباحی (قاضی شرع ایمسٹرڈم، ہالینڈ) نے اپنے خطاب میں کہا کہ دعوت کی دو قسمیں ہیں، دعوت عامہ اور دعوت خاصہ۔ دعوت عامہ کے مطابق اُمت محمد یہ کا ہر فرد اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق داعی ہے اور دعوت خاصہ کے حامل اہلِ علم ہیں۔ داعی کا اپنی دعوت پر عامل ہونا ضروری ہے تبھی دعوت موثر ہوگی۔ اسی طرح داعی کا اُسوہ رسول کو اپنانا بھی بے حد ضروری ہے۔ دعوت کی راہ میں اخلاص بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ بات احسن انداز میں ہونی چاہیے۔ حکمت سے خالی دعوت غیر موثر بلکہ بسا اوقات نقصان دہ ہوجاتی ہے۔ آپ نے سنی دعوت اسلامی کی دینی و مذہبی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ سنی دعوت اسلامی کی مسلکی و مذہبی خدمات محتاج تعارف نہیں۔ الحاج قاری محمد رضوان خان اور دیگر مبلغین صاحبان نے بارگاہ رسالت میں گلہائے نعت بھی پیش کیے۔ مولانا محمد قمر الحسن مصباحی قمر بستوی (امریکہ) نے بارگاہ رسول میں رجوع کی اہمیت پر خطاب میں کہا کہ بارگاہ خدا میں رسائی کے لئے اولاً بارگاہ رسول سے اپنے رشتے کو مستحکم کرنا ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی دو جہتیں ہیں، ایک نوری اور دوسری بشری۔ رسول کی بارگاہ میں معروضات پیش کرنا دراصل خدا کی بارگاہ میں معروضات پیش کرنا ہے۔ موصوف نے امام اعظم ابوحنیفہ، امام زین العابدین اور امام بوصیری رضی اللہ عنہم وغیرہ کے اقوال کی روشنی میں بارگاہ رسول سے استغاثہ وتوسل کو ثابت کیا۔

خطیب ہر دل عزیز مولانا الحاج سید امین القادری کا خطاب بھی ہوا۔ زندگی پر گناہوں کے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے کہا کہ انسان کی بے

چینی کی اصل وجہ اللہ کی بارگاہ سے دوری ہے۔ جیسے مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ہے اسی طرح انسان اللہ کی یاد اور اس کے ذکر کے بغیر زندہ اور پرسکون نہیں رہ سکتے۔ اللہ والے غاروں اور جنگلوں میں بھی پرسکون رہتے تھے اور دنیادار بادشاہ تخت وتاج پر بھی پرسکون نہیں ہوتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ والے اللہ کی معصیت ونافرمانی کے قریب بھی نہیں جاتے جس کی بدولت ان کا دل چین وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

علامہ اعظمی کے صاحب زادے بیرسٹر معین الزماں نے انگلش زبان میں ''قوم مسلم اور تعلیم کی اہمیت'' پر خطاب کیا۔

دوسرے دن بھی سنی دعوت اسلامی کے سالانہ سنی اجتماع میں علماو مبلغین نے کئی اہم پیغامات دیے۔ مرکزی خطاب میں امیر سنی دعوت اسلامی مولانا محمد شاکر نوری نے ''مادہ پسندی کے اسباب وعلاج'' پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ دنیا کے ہر مذہب کا ماننے والا آج مادیت کی طرف بڑھ رہا ہے، انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے لیکن انسان صرف جسم کی طرف متوجہ ہے، روح کی طرف نہیں۔ قرآن واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی ارتقا انسان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مادی نظریات کی وجہ سے انسان کی جسم تو سنورتی ہے لیکن روح نہیں سنورتی، جب کہ سکون واطمینان کی دولت روح کے ارتقا میں ہے۔ اسباب کو سب کچھ سمجھ کر انُہی پر بھروسہ کر لینا اور خالق حقیقی سے غافل ہوجانے کو مادیت اور مادہ پسندی کہا جاتا ہے۔ آج پوری دنیا میں ڈپریشن اور مایوسی چھائی ہوئی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ مادی نظریات کا غلغلہ اور ان کا فروغ ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے اسی لئے مشینوں کے آلات کی حکمرانی اور دبدبے کو موت قرار دیا تھا۔ مولانا موصوف نے سورۂ کہف میں دو بھائیوں کے بیان کردہ واقعہ کی روشنی میں مادہ پسندی اور روحانیت پسندی کا انجام واضح کیا۔ آپ نے کہا کہ جسم اور روح دونوں کو متوازن غذا دینا ضروری ہے اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو انسان ناقص رہ جاتا ہے۔ مادی نظریات وافکار کی طرف لپکنے کی بجائے قرآن کے دیئے ہوئے روحانی تعلیمات کی طرف بڑھیں۔ قوم مسلم کی علمی واخلاقی افلاس کا علاج صدقہ جاریہ میں بھی ہے، ہر باا ثر انسان اپنے پیچھے مدارس، مساجد اور اسکول وکالج چھوڑنے کی کوشش کرے، انہی سے امت مسلمہ ترقی پذیر ہوسکتی ہے۔ مبلغ سنی دعوت اسلامی عارف پٹیل صاحب (انگلینڈ) نے انگریزی زبان میں ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری زندگی اور ہمارے آئیڈیل'' کے عنوان پر خطاب کیا۔ قاری محمد رضوان خان نے مراٹھی زبان میں خدمت خلق کی اہمیت پر خطاب کیا۔ آپ نے کہا کہ تمام خلقِ خدا اللہ کا کنبہ ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا، بندگان خدا کی مدد کرنا بلاامتیاز اسلامی تعلیمات سے ہے۔ کئی قسم کے کفارات میں یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم موجود ہے۔

محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور) نے سوالات کے جوابات دیے۔ آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ محض دانتوں کی خوبصورتی کے لئے قدرتی دانت نکال کر دوسرے دانت لگوانا، ناجائز ہے کیوں کہ اللہ کی پیدا کردہ چیز کو بگاڑنا ہے۔ ہاں شرعی مجبوری ہو تو جائز ہے۔ جن چیزوں کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے ان کا آن لائن اشتہار بھی جائز ہے اور جن اشیا کی خرید وفروخت ناجائز ہے ان کا آن لائن اشتہار بھی ناجائز ہے۔ قسط پر سامان کی خریداری کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ بلاسودی ہے یعنی عام قیمت سے زائد نہیں ہے تو جائز ہے اور اگر سودی ہے یعنی کچھ زائد دینا ہے تو ناجائز ہے۔ میت کو کولڈ اسٹوریج میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ کے جواب میں مفتی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ناجائز ہے، حدیث میں ہے کہ جس چیز سے ندوں کو تکلیف پہنچتی ہے ان سے مُردوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ مفتی صاحب قبلہ نے جعلی دستاویزات کی بنیاد پر نوکری دِلانا اور حاصل کرنا دونوں کو ناجائز بتایا۔ اجتماع کا یہ سیشن نہایت دلچسپ ہوتا ہے، کم وقت میں عوام کو بہت سی قیمتی معلومات حاصل ہوجاتی ہیں۔

مفکر اسلام علامہ قمرالزماں خاں اعظمی (لندن) نے ''اسلام کا معاشی نظام'' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے اُمت مسلمہ کو تجارت اور صنعت وحرفت کی اہمیت سے آگاہ کیا اور باضابطہ مسلمانوں کو اپنا ذریعہ معاش مضبوط ومستحکم کرنے کی درخواست کی۔ کاشت کاری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کاشت کاری کرنے والے کے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے کو حدیث میں صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ مفسر قرآن علامہ ظہیر الدین خاں قادری رضوی (پرنسپل دارالعلوم محمدیہ، ممبئی) نے صراط مستقیم کیا ہے؟ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ موصوف نے فرمایا کہ سیدھی راہ پر چلنے سے انسان کو سب سے پہلے اپنی معرفت حاصل ہوتی ہے پھر رب کی معرفت بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ اولیا پہلے اپنے تک پہنچتے ہیں پھر خدا تک پہنچتے ہیں۔ صراط مستقیم پر شیطان بیٹھا ہوا ہے، شیطان کو شکست دے کر ہی ہم صراط مستقیم پر قائم رہ سکتے ہیں۔ موصوف نے کئی اہم نکتوں کی جانب سامعین کی توجہ مبذول کرائی۔ حالات اور قانونی پابندیوں کے پیش نظر عوام کو اجتماع میں شرکت کی اجازت نہیں تھی، مدارس سنی دعوت اسلامی کے بعض اساتذہ اور چنندہ مبلغین اور کچھ خواص حضرات نے شرکت کی۔ آج ذکر ودعا اور صلوۃ وسلام پر سنی اجتماع کا اختتام ہوا۔

استاذ جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئی ۳

شخصیات اسلام

امام غزالی اور فلسفۂ اخلاق: اِحیاء علوم الدین کی روشنی میں

درخشاں عشرت★

اِحیاءعلوم الدین کے مصنف حجۃ الاسلام حضرت امام محمد بن محمد غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔ امام غزالی کا شمار دنیائے اسلام کی ان مقدس ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اس دنیائے فانی کی تمام رونقوں اور لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے علم دین حاصل کیا پھر اس کی تبلیغ واشاعت میں ہی اپنی زندگی صرف کردی۔ آپ کی تحریروں میں جا بجا خوفِ خدا، عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعہ لوگوں کے سینوں کو معرفت الٰہی سے روشن فرمادیا۔

نام ونسب اور مختصر حالاتِ زندگی:

آپ کی کنیت ابوحامد، لقب حجۃ الاسلام (اسلام کی دلیل) اور نام نامی اسم گرامی محمد بن محمد بن محمد احمد الطوسی الغزالی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے۔ آپ ۴۵۰ھ میں خراسان کے ضلع طوس کے علاقے طابران میں پیدا ہوئے اور بروز پیر ۱۴ جمادی الاخریٰ ۵۰۵ھ بمقام طابران (طوس) میں خالق حقیقی سے جا ملے اور وہیں پر آپ کا مزار پُرانوار ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی کے والد ماجد شہر خراسان ہی میں اون کات کر بیچا کرتے یعنی پیشے کے لحاظ سے دھاگے کی تجارت کیا کرتے اور فارسی میں سوت کاتنے والے کو غزّال کہتے ہیں، اسی نسبت سے آپ کا خاندان غزالی کہلایا۔ امام غزالی کے والد ماجد پرہیزگار انسان تھے۔ وہ علماء کی صحبت اختیار کرتے اور ان پر حتی الامکان خرچ کیا کرتے۔ امام غزالی کی ترقی و بلندی کے پیچھے ان کے والد کی دعاؤں کا بڑا ہاتھ ہے۔ آپ کے والد دعا مانگا کرتے کہ "اے اللہ عزوجل! مجھے بیٹا عطا کر اور اُسے فقیہ بنا"، اور یہ دعا بھی کرتے کہ "اے اللہ عزوجل! مجھے بیٹا عطا کر اور اُسے واعظ بنا"، امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد ماجد کا وصال ان کی کم عمری میں ہی ہو گیا تھا لیکن آپ نے وصالِ پرملال سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی ساری پونجی ان کے بیٹوں محمد غزالی اور احمد غزالی (رحمہما اللہ) کی تعلیم و پرورش پر خرچ کردی جائے اور ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت امام غزالی نے اپنی ابتدائی تعلیم خراسان میں ہی حاصل کی جہاں کتب فقہ حضرت احمد راذ کانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھیں پھر ۲۰ سال سے بھی کم عمر میں جرجان (ایران کے مشرقی شہر) تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ۴۷۳ھ میں نیشاپور میں امام عبدالملک جوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اصولِ دین، منطق اور حکمت وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل کی۔ آپ نے ۴۸۴ھ میں وزیر نظام الملک کی درخواست پر مدرسہ نظامیہ بغداد میں شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) کا عہدہ قبول کیا۔ یہاں چار سال درس وتدریس کے بعد حج کے لئے مکہ معظّمہ روانہ ہوئے۔ حج کی ادائیگی کے بعد ۴۷۹ھ میں آپ دمشق پہنچے پھر بیت المقدس کا رخ کیا۔ ایک عرصہ وہاں گزارا پھر دوبارہ دمشق تشریف لائے اور جامع دمشق کے مغربی منارے پر یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ یہاں زیادہ تر وقت حضرت شیخ الاسلام نصر بن ابراھیم مقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں گزارا۔ ملک شام میں تقریباً ۱۰ سال کے قیام کے دوران آپ نے اِحیاءالعلوم (۴ جلدیں)، جواہر القرآن، تفسیر یاقوت التّاویل (۴۰ جلدیں) اور مشکاۃ الأنوار جیسی کئی مشہور کتابیں تصنیف فرمائیں پھر حجاز، بغداد اور نیشاپور کا سفر کیا۔ بالآخر اپنے آبائی شہر طوس آکر تا دم آخر عبادت وریاضت، وعظ ونصیحت اور تصوف کی تدریس میں مشغول رہے۔

حضرت امام غزالی کی تصنیفات:

حضرت امام غزالی نے کئی علوم وفنون مثلاً فقہ واصول فقہ، فلسفہ، علم کلام، تصوف واخلاقیات وغیرہ کے موضوع پر سینکڑوں کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

فقہ شافعی: غاية الغور، اختصار المختصر
الصول الفقہ: فاء العليل، المنخول، المستتصفى
منطق: معيار العلم، محك النظر، ميزان العمل
فلسفہ: مقاصد الفلسفة
علم الکلام: تهافة الفلاسفة، الرسالة القدسية
تصوف و اخلاق: منهاج العابدين إلى جنة رب العالمين، کیمیائے سعادت، اِحیاء علوم الدین، القصد الأقصیٰ، أخلاق

الابرار،جواھر القرآن، جواھر القدس فی حقیقة النفس مشکوٰة الأنوار فی لطائف الأخبار، مزاج السالکین، نصیحة الملوك، بدایة الهدایة، أیّها الولد، تنبیه الغافلین اور مکاشفة القلوب ۔ وغیرہ۔ یہاں حضرت امام غزالی کی مشہورِ زمانہ کتاب اِحیاءعلوم الدین پر ہی تبصرہ کریں گے۔

کتاب إحیاء علوم الدین کا تعارف:

اِحیاءعلوم الدین اخلاقیات کی کتب میں ایک ایسا روشن آفتاب ہے جس کی مثال دنیا بھر کی باقی اخلاقی کتابوں میں ملنا مشکل ہے۔آپ کے بعد آنے والے مصنفین نے جو کچھ بھی اخلاقیات کے موضوع پر لکھاہے کتاب احیاءالعلوم اس کا ماخذ ہے۔اس کتاب کا گہرہ مطالعہ ہی انسان کی دل کی دنیا کو پلٹ کر رکھ دینے کے لئے کافی ہے پھر اس میں بتائی گئی باتوں پر عمل تزکیۂ نفس کے لئے اکسیر ہے۔ اس کتاب میں ظاہری علوم (عقائد، عبادت، طہارت وغیرہ) کے ساتھ ساتھ باطنی علوم (اخلاق، خوف و رجا، توکل وغیرہ) کا بھی بیان ہے۔ یہ کتاب انسان کی روزمرہ کی زندگی کے معاملات میں بھی اس کی رہنمائی کرتی ہے اور کامل انسان بنانے میں بے حد معاون ہے۔اسی لئے تو امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: اگر لوگوں کے پاس اِحیاءالعلوم کے علاوہ اہلِ علم کی کوئی کتاب نہ رہے تو یہی ان کے لئے کافی ہے۔میں فقہاء کی تصنیفات میں نظر و فکر اور نقل و اثر کے اعتبار سے اس کتاب کی مثل کوئی کتاب نہیں پاتا۔

(اتحاف السادۃ المتقین بشرح اِحیاءعلوم الدین، ج ا، ص ۷ ۴)

یہ کتاب اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی تھی اور یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے لیکن اب اس کا ترجمہ دنیا کی کئی زبانوں اردو، فارسی، ترکی، ہندی اور انگریزی وغیرہ میں بھی ہو چکا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی اس کتاب نے بہت مقبولیت پائی ہے۔ انگریزی ترجمہ The Revival of the Religious Knowledge کے نام سے دستیاب ہے۔

اخلاق کی تعریف:

اخلاق لفظ خُلق کی جمع ہے اور خُلق ایک عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ خ-ل-ق ہے۔ابن منظور نے اپنی مشہور کتاب لسان اللسان میں لفظ الخُلق کو السجیة کے مترادف بتایا ہے اور السجیة کا مطلب ہے عادت اور طور طریقہ۔عربی زبان کی مشہور ڈکشنری المنجد میں بھی اخلاق کو خُلق کی جمع بتایا گیا ہے اس خُلق سے مراد طبیعت، مروّت اور عادت ہے۔امام فخر الدین رازی اپنی کتاب جامع العلوم میں اخلاق کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

الخلق ملکة تصدر بها عن النفس أفعال بالسهولة من غیر تقدیم رویةٍ (جامع العلوم، باب علم الاخلاق، ص ۳۳۰)

ترجمہ: خلق ایک ایسا ملکہ ہے جس کے باعث طبیعت سے آسانی کے ساتھ افعال صادر ہوں بغیر اس کے انہیں پہلے دیکھا گیا ہو۔

اسی طرح امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں خُلق کی تعریف یہ درج کی ہے کہ ’’خُلق کہ لفظ قویٰ باطنہ اور عادت و خصائل کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔‘‘

(مفردات القرآن (مترجم)، ج ا، کتاب الخاء، ص ۳۴۱)

امام غزالی اور اخلاقیات:

امام غزالی نے اپنی تصانیف میں اخلاقیات کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔آپ نے اس موضوع پر فارسی زبان میں لکھی گئی اپنی کتاب کیمیائے سعادت میں انسان کو اچھے اور برے اخلاق کی تمیز سکھائی ہے۔ آپ کے نزدیک انسان کے اندر بہت سے اخلاق ہوتے ہیں۔بعض اچھے ہوتے ہیں جو انسان کو درجہ سعادت پر پہنچا کر اعلیٰ مرتبہ پر فائز کرتے ہیں اور بعض اخلاق برے ہوتے ہیں جو انسان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں لیکن اجمالی طور پر اخلاق کی چار اقسام ہیں:

چار پایوں کے اخلاق (مثلاً لالچ، خواہش وغیرہ)

درندوں کے اخلاق (مثلاً مار پیٹ، گالی گلوچ وغیرہ)

شیطانوں کے اخلاق (مثلاً مکر و فریب، فساد ڈالنا وغیرہ)

ملائکہ کے اخلاق (علم دوستی، برے کاموں سے اجتناب، لوگوں کی بھلائی چاہنا، حق کی پہچان کی جستجو، جہالت اور نادانی کو برا سمجھنا وغیرہ)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ انسان کو خود اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ان چاروں میں سے کون سے صفات اُس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ ان صفات کو ہی اخلاق کہتے ہیں۔

امام غزالی سے پہلے بھی الکندی، الفارابی اور ابن سینا جیسے بڑے بڑے فلاسفہ گزرے ہیں لیکن کیونکہ امام غزالی کا زمانہ فلسفہ یونان کی گرم بازاری کا زمانہ تھا، اس لئے ان سب کے فلسفے میں یونانی فلسفے کا اثر نمایاں ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام غزالی سے پہلے جو کتابیں اخلاقیات پر لکھی گئیں ان سب میں عقلیات کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے۔ کچھ علمائے دین نے بھی اس موضوع پر لکھنا چاہا تو اُن کی تصانیف میں قرآن و حدیث کا پلڑا بھاری ہو گیا

لیکن امام غزالی کا انداز جداگانہ ہے۔امام غزالی نے ان دونوں پہلوؤں میں قابل تعریف ربط پیدا کیا ہے اور یہی آپ کے فلسفہ اخلاق کا امتیازی پہلو ہے۔آپ نے اخلاقیات کو قرآن وحدیث سے جوڑنے کے ساتھ ساتھ عقل سے بھی اس کے دلائل پیش کیے ہیں، اسی وجہ سے آپ کی کتابوں کو بالعموم اور کتاب احیاء العلوم کو بالخصوص بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اپنی تصانیف میں آپ نے اخلاق اور علم الاخلاق کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے اور ہر پہلو پر اسلامی نقطہ نظر سے روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس کے عقلی دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

إحیاء العلوم میں اخلاقی تعلیمات:

کتاب اِحیاء العلوم کی جلد ۳ میں باب نمبر ۲۔ ریاضت اور اخلاق کا بیان ہے جس میں امام غزالی نے اخلاقیات کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس باب کی شروعات اِن الفاظ سے کی ہے:

''حسنِ خلق سید المرسلین ﷺ کی صفت اور اعمال صدیقین میں سے یہی افضل عمل ہے۔'' (اِحیاء العلوم (مترجم) ج ۳، باب ۲، ص ۹۰)

آپ کا کہنا ہے کہ حسنِ اخلاق ہی نصف دین اور ثمرہ مجاہدہ ہے اور برے اخلاق زہر قاتل اور مہلک ہیں اور برے اخلاق انسان کی ذلت و خواری اور رسوائی کا سبب بنتے ہیں، یہ اللہ سے دور اور شیطان کے گروہ میں انسان کو شامل کرتے ہیں۔ اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فضائلِ اخلاق اور مذمت بد خلقی بیان کرتے ہوئے متعدد آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبوی نقل کی ہیں۔آپ لکھتے ہیں کہ ''جناب رب العزت نے اپنے حبیب کریم ﷺ کی مدح میں ان پر اپنی نعمت کا اظہار کر کے فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔

(اِحیاء العلوم (مترجم) ج ۳، باب ۲، ص ۹۰)

ترجمہ: بیشک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔ (پ ۲۹، القلم: ۴)

آپ نے اس حوالے سے متعدد احادیث بھی درج کی ہیں۔ مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔آپ نے فرمایا کہ حسنِ خلق گناہ کو ایسا بنا دیتا ہے جیسے سورج جمے ہوئے پانی کو۔ (اِحیاء العلوم (مترجم) ج ۳، باب ۲، ص ۹۳)

آپ نے خوش خلقی اور بد خلقی کی حقیقت کو بھی بیان فرمایا ہے۔ آپ کے مطابق خَلق اور خُلق یہ دونوں لفظ ہمیشہ ایک ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں اچھے خلق اور اچھے خلق یعنی اچھے ظاہر و باطن والا ہے۔ ظاہر کا حسن خوبصورتی ہے اور باطنی حسن سے مراد بری صفات پر اچھی صفات کا غالب ہونا ہے اور باطن میں تفاوت (فرق) ظاہر میں تفاوت سے زیادہ ہوتا ہے۔

آپ نے خلق کی تعریف اِن الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ ''خلق وہ ہیئت راسخہ ہے نفس میں جس سے افعال بآسانی بلا فکر و تامل صادر ہوتے ہیں۔ پس اگر یہ ہیئت ایسی ہے کہ اس سے ایسے افعال صادر ہوں جو عقلاً وشرعاً عمدہ ہیں تو اس ہیئت کا نام حسنِ خلق ہے اور اگر اُس سے برے افعال صادر ہوں تو اس ہیئت کا نام خلقِ بد ہے۔''

(اِحیاء العلوم (مترجم) ج ۳، باب ۲، ص ۹۶)

ریاضت سے اخلاق تبدیل ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس سوال کا بھی امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفصیلی جواب عنایت فرمایا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ اخلاق میں تغیر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ طبیعت میں تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ اس لئے کہ جس طرح انسان کی ظاہری صورت میں تبدیلی آنا ممکن نہیں، اسی طرح اس کے اخلاق بھی نہیں بدلے جا سکتے۔ حسن اخلاق سے شہوت اور غضب کا استیصال مراد ہے لیکن یہ چیزیں مزاج اور طبیعت سے کبھی بھی منقطع نہیں ہوتی ہیں۔

اس کا رد آپ نے یوں فرمایا ہے کہ اخلاق میں تغیر بلاشبہ ممکن ہے اگر ایسا نہ ہوتا ہو تو حضور اکرم ﷺ کبھی بھی امت کو اپنے اخلاق سنوارنے کو نہ کہتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسّنوا أخلاقكم

(جامع الترمذی، أبواب البر و الصلة، باب ما جاء في معاشرة الناس، الحدیث ۱۹۸۷، ص ۱۸۵۱)

ترجمہ: اپنے اخلاق کو اچھے کرو۔ (اِحیاء العلوم ج ۳، باب ۲، ص ۱۰۰)

دوسری وجہ کی تردید میں آپ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ جس خلق سے شہوت و غضب کا استیصال ہوتا ہے اور یہ محال ہے۔ یہ بات سراسر غلط ہے۔ گویا کہ ان لوگوں کا ماننا ہے کہ حسن خلق سے یہ چیزیں مٹ جاتی ہیں، ایسا نہیں بلکہ شہوات تو انسان کے فائدے کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ خلقت انسانی میں اس کا ہونا لازم وضروری ہے۔ ورنہ اگر بالفرض شہوت کھانے کی نہ رہے تو انسان ہلاک ہوجائے اور اگر اصل غضب بالکل ہی طبیعت انسانی سے ختم ہوجائے تو آدمی مہلک اشیاء کو بھی دفع نہ کر سکے گا، خود تباہ ہوجائے گا بلکہ مقصود ہے کہ افراط وتفریط کو چھوڑ کر اعتدال پر آجائے۔

حسن اخلاق کے حصول کا طریقہ بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ حسن اخلاق کا حصول دو وجہ سے ممکن ہے۔ اولاً یہ کہ عطائے الٰہی سے انسان ابتدائے تخلیق سے کامل العقل اور خوش خلق پیدا ہوا اور شہوات وغضب کا اُس پر غلبہ نہ ہو تو ایسا شخص بغیر تعلّم عالم ہو جاتا ہے اور بغیر تادیب مؤدب۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور جملہ انبیائے کرام علیہم السلام اور بالخصوص حضور سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایسا عام لوگوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ بعض بچّے شروع سے ہی اچھی عادت پر پیدا ہوتے ہیں اور کچھ ان کے بر عکس بری عادت پر۔

دوم یہ کہ ان اخلاق کو مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل کرنا یعنی نفس سے ایسے کام لینا جس سے حسن خلق حاصل ہو جائے۔ مثلا جو شخص خلق سخاوت چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ چاہے اس پر کتنا ہی گراں گزرے وہ اپنے مال کو خرچ کرے یہاں تک کہ اس کی عادت بن جائے تو اس طرح یہ سخی ہو جائے گا۔ اسی طرح باقی اخلاقِ حسنہ پر با تکلف عمل کرے یہاں تک کہ وہ افعال اس پر آسان ہو کر اس کی عادت وطبیعت بن جائیں اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اسے اس میں لذت معلوم ہونے لگے۔ مثلاً سخی اس کو کہیں گے جو مال خرچ کرے اور اس میں اس کو لذت حاصل ہو۔ اس کی مثال امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ دی ہے کہ:

''کوئی چاہے کہ خوشخطی میں ماہر ہو جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جیسے کاتب اپنے ہاتھ سے مشق کرتے ہیں ویسے یہ بھی مدت دراز تک مشق کیے جائے یہاں تک کہ صفت کتابت اس کے اندر پختہ ہو جائے اور حروف خوشخطی طبعی طور پر ہاتھ سے نکلنے لگیں جیسے پہلے محنت سے نکلتے تھے۔''

(اِحیاء العلوم (مترجم) ج ۳، باب ۲، ص ۱۰۶)

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قلب کے امراض اور اس کے علاج کے حوالے سے فرمایا ہے کہ قلب کا خاص عمل، علم وحکمت ومعرفت ومحبت اور عباداتِ الٰہی ہے اور اس کے ذکر سے لذت پانا ہے۔ اگر دل یہ عمل نہ کر سکے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرض میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اِس لئے اب اس کے علاج کی ضرورت ہے ورنہ یہ قلب آدمی کو ہلاکت کی طرف لے جائے گا۔ آدمی پر اپنا علاج کرنا تب تک ضروری ہے جب تک علامتِ حبِ خدا ظاہر نہ ہو جائے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک:

''اللہ تعالیٰ کی محبّت کی یہ نشانی ہے کہ اس پر دنیا اور مافیہا اور تمام اپنی محبوب چیزوں کو ترجیح نہ دے'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔ (اِحیاء العلوم، ج ۳، باب ۲، ص ۱۱۱)

ترجمہ: تم فرماؤ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اُس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو (انتظار کرو) یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

(کنز الایمان، پ ۱۹، التوبۃ: ۲۴)

آپ طریقۂ علاج الامراض کے تحت فرماتے ہیں کہ جس بھی بیماری کا علاج کرنا مقصود ہو تو اس کے مطابق اسباب لائے جائیں یعنی بخل، جو کہ اللہ سے دوری کا سبب اور ہلاکت میں مبتلا کرنے والا مرض ہے، اس کے علاج کے لئے مال کو خرچ کیا جائے لیکن آپ نے ساتھ ساتھ تنبیہ بھی کی ہے کہ مال اس قدر نہ لٹایا جائے کہ انسان کو فضول خرچی کے دوسرے مرض میں مبتلا کر دے۔ آپ فرماتے ہیں:

''جیسے کوئی شخص سردی کا علاج گرمی سے اتنا کرے کہ حرارت بڑھ جائے تو یہ بھی ایک مرض ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ فضول خرچی میں اعتدال ہو اور درجۂ اوسط جو دونوں طرفوں سے نہایت فاصلے پر ہے حاصل ہو جائے۔'' (اِحیاء العلوم (مترجم) ج ۳، باب ۲، ص ۱۱۱)

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی نظر اس کے عیوب کی طرف پھیر دیتا ہے تو جو عقلمند ہوتا ہے وہ اپنے عیوب پہچان لیتا ہے اور عیوب کی پہچان کے بعد ہی ان کا علاج ممکن ہے۔ یہی بات حدیث شریف میں بھی موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إذا أراد الله بعبد خيراً بصّره بعيوب نفسه

(شعب الإيمان للبيهقي، باب في الزهد و قصر الأمل، الحديث ۱۰۵۳۵۶، ج ۷، ص ۳۴۷)

ترجمہ: جب اللہ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے اس کے عیوب دِکھا دیتا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ اس ضمن میں طریقہء اسلاف کو مدنظر رکھے۔ مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ اللہ کی رحمت ہو اُس پر جو مجھے میرے عیب بتادے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ ''انسان کو اپنے عیوب کی خبر نہیں ہوتی جب ذرا سا مجاہدہ کر کے بڑے بڑے گناہ چھوڑ دیتا ہے تو یقین کر لیتا ہے کہ اب میں مہذب ہو گیا اور مجھ میں حُسنِ خلق آ گیا اور اب مجاہدہ کی ضرورت نہیں۔'' (اِحیاء العلوم (مترجم) ج ۳، باب ۲، ص ۱۲۰)

آپ نے اس بات کی مذمّت فرمائی ہے اور قرآن مجید کی متعدد آیات کے حوالے سے صفات مؤمنین بیان فرمائی ہیں جو کہ دراصل حسن اخلاق کا ہی نتیجہ ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں مؤمنین کی کئی صفات بیان کیے گئے ہیں جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے۔ زمین پر آہستہ چلنے والے۔ راتوں کو سجدے اور قیام میں گزارنے والے۔ جہنم سے پناہ مانگنے والے۔ خرچ میں نا تو بخل کرنے والے اور نا ہی اسراف کرنے والے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہ ماننے والے۔ اللہ کی حرمت کی گئی جان کو ناحق نہ مارنے والے۔ نماز میں گڑگڑانے والے۔ بدکاری نہیں کرنے والے۔ توبہ والے۔ عبادت والے۔ سراہنے والے۔ روزے والے۔ رکوع والے۔ کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرنے والے۔ جھوٹی گواہی نہیں دینے والے۔ اللہ کی آیتوں اور نصیحتوں پر غفلت نہ برتنے والے۔ سجدہ والے۔ بھلائی کی باتیں بتانے والے۔ برائی سے روکنے والے۔

آپ نے متعدد مشائخ کرام کے اقوال و واقعات بھی درج کیے ہیں جو کہ آدمی کو تزکیہ نفس کی دعوت دیتے ہیں۔ مثلاً آپ نے حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان نقل کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ حسن خلق کی دس علامات ہیں: ایذا سہنا۔ نفس کو ملامت کرنا۔ چھوٹے بڑے سے باکشادہ پیشانی پیش آنا۔ ادنیٰ و اعلیٰ کے ساتھ نرمی سے بولنا۔ دوسروں کے عیوب سے قطع نظر کر کے اپنے عیوب کو پہچاننا۔ قلب خلاف۔ حسن انصاف۔ انتقام نہ لینا۔ گناہوں کو برا جاننا۔ عذر کرنا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جو کوئی بھی آخرت کا مشتاق ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں دنیا کی نعمتیں اور لذتیں ہیچ ہو جاتی ہیں اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہو جاتی ہے جس کے پاس صرف کوڑی ہو پھر اُس کی نظر کسی قیمتی جوہر پر پڑے تو کوڑی کی رغبت اس کے دل میں باقی نہ رہے اور وہ یہ چاہے کہ کسی طرح وہ قیمتی جوہر حاصل کر لوں۔ پس آخرت کی منزل کو پانے کے لئے ضروری ہے کہ بندہ کسی شیخ کامل سے بیعت کا شرف حاصل کر کے اُن کا مرید بن جائے اور پھر اپنے شیخ کے بتائے گئے طریقے سے اپنے نفس کی اصلاح کر کے اسے اخلاقِ حسنہ سے مزین کرے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بچّوں کی ابتدائی عمر میں تربیت اور حسن اخلاق کی تعلیم کی طرف بھی والدین کی توجہ کو مبذول کرایا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ماننا ہے کہ بچے ماں باپ کے لئے ایک امانت ہیں اور ان کی تربیت کرنا نہایت ضروری ہے۔ آپ کے نزدیک بچے کا دل ایک ایسا جوہر ہے جو سادہ اور نفیس ہے اور اسے جس بھی طرف مائل کیا جائے یہ اسی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر بچپن سے ہی اس کی اچھی تربیت کی جائے اور اسے خیر کی تعلیم دی جائے تو وہ بڑا ہو کر بھی نیک خصلت ہی رہے گا کیونکہ وہ اچھائی کا عادی بن چکا ہوگا اور اس کا اجر اُس کے والدین اور استاد کو ملے گا۔ اس کے برعکس اگر کسی بچے کی تربیت نہ کی جائے اور اسے جانوروں کی طرح کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ برائی کا عادی ہو جائے گا اور بڑا ہو کر بھی تباہ ہو جائے گا اور اس کے جواب دہ اس کے ماں۔باپ ہوں گے۔ اپنی اس بات کی دلیل میں وہ سورہ تحریم کی آیات نمبر ۶ نقل فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ (پ ۲۸، التحریم: ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ (کنزالایمان)

خلاصہ:

اِحیاء العلوم حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک ایسی تصنیف ہے جس نے اخلاقیات کی بحث میں حضرت امام غزالی کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے زمانے کے دستور کے برخلاف سادہ اور سلیس زبان استعمال کی ہے اور مختلف روایات اور حکایات کے ذریعہ قارئین کی دلچسپی کو بنائے رکھا ہے۔ امام غزالی نے مثالوں کے ذریعے قارئین کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے حتی الامکان قرآن و حدیث سے حوالہ درج کر کے اپنی کہی گئی باتوں کا وزن بڑھا دیا ہے۔ آپ نے سعی کی کہ اخلاق کے ہر پہلو کو ارشادِ باری تعالیٰ اور سنت رسول سے مربوط کریں اور اپنی اِس کوشش میں وہ بے حد کامیاب بھی رہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کی دلیل یہ بھی ہے کہ کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی اس کتاب کی معنویت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے اور نہ ہی رہتی دنیا تک آئے گی۔ اِن شاء اللہ۔

مآخذ و مراجع:

(۱) قرآن مجید (۲) کنز الإیمان فی ترجمة القرآن، امام احمد رضا خان (۳) جامع الترمذی، امام محمد بن عیسیٰ الترمذی

(۴) شعب الإیمان للبیهقی، أبو بکر أحمد بن الحسین بن علی البیهقی

(۴) طبقات الشافعیة الکبری، تاج الدین أبی نصر عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی السبکی، جلد اول، مطبوعہ دار إحیاء الکتب العربیة، طبع اول، سنہ اشاعت ۱۹۶۴ء

(۶) اتحاف السادة المتقین بشرح إحیاء علوم الدین، محمد بن محمد الحسینی الزبیدی، جلد اول، مطبوعہ مؤسسة التاریخ العربی (بیروت-لبنان)، سنہ اشاعت ۱۹۹۴ء

(۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد چہاردہم، حصہ دوم، مطبوعہ دانش گاہ پنجاب، طبع اول، سنہ اشاعت ۱۹۸۲ء

(۸) فیروز اللغات (فارسی-اردو)، مقبول بیگ بدخشانی، مطبوعہ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ (کراچی)، طبع اول، سنہ اشاعت ۲۰۰۴ء

(۹) لسان اللسان، أبو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور، مطبوعہ دار الکتب العلمیة (بیروت-لبنان)، سنہ اشاعت ۱۹۹۳ء

(۱۰) المنجد عربی-اردو، لوئیس معلوف، مترجم مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور، سنہ اشاعت ۲۰۰۹ء

(۱۱) جامع العلوم، ابو عبد اللہ محمد بن عمر فخر الدین رازی، مترجم سید محمد فاروق القادری، مطبوعہ فرید بک اسٹال (لاہور)، سنہ اشاعت درج نہیں۔

(۱۲) مفردات القرآن (مترجم)، امام راغب اصفہانی، مترجم مولانا محمد عبدہ، جلد اول، کتاب الخاء، مطبوعہ اسلامی اکادمی (لاہور)، سنہ اشاعت درج نہیں۔

(۱۳) کیمیائے سعادت (مترجم)، نام، مترجم محمد سعید احمد نقشبندی، مطبوعہ اسلام بک ڈپو (اسلام آباد)، طبع اول، سنہ اشاعت جون ۱۹۹۹ء

(۱۴) قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے، ڈاکٹر غلام قادر لون، مطبوعہ چمن انٹر پرائزیز (نئی دہلی)، جولائی ۲۰۱۴ء

(۱۵) إحیاء علوم الدین (مترجم)، ابو حامد محمد بن محمد غزالی، مترجم فیض احمد اویسی، جلد سوم، مطبوعہ مکتبہ رضویہ (دہلی)، طبع اول، سنہ اشاعت اپریل ۱۹۹۹ء

(۱۶) لباب الإحیاء، المدینة العلمیة، مطبوعہ مکتبة المدینة (دعوت اسلامی، کراچی)، طبع اول، سنہ اشاعت ۲۰۰۸ء

☆☆☆

☆ شعبہ اسلامیات، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی ۶۲ (ہند)

حضرت شاہ چوکھا چشتی کا ۴۲۰/واں عرس منایا گیا

مورخہ ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ ۲۱ دسمبر ۲۰۲۰ء بروز دوشنبہ بعد نماز فجر مزار شریف کو غسل دیا گیا۔ اطراف سے آئے ہوئے عقیدت مندوں نے اور مرکز فروغ اسلام برکات اشفاق (نوح) کے طلبہ نے قرآن خوانی کی اور قل شریف کی محفل ہوئی جس کی سرپرستی پیرزادہ حضرت رفیق احمد قادری چشتی نے فرمائی اور صدارت پیر طریقت حضرت الحاج عبد الحکیم راجشاہی چاہلکہ نے کی۔ مولانا ارشد منڈھیتہ تلاوت نے کی۔ نعت و منقبت مولوی انصرون فروغی، مولانا عبد القیوم رضوی، مولانا سلیم رضوی فالین نگلہ، میاں جی شمشیر دوتانہ نے پڑھی۔ مؤخر الذکر نے شیخ سعدی کا فارسی کلام پڑھا جس سے حاضرین پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ مولانا جمیل احمد نقشبندی مشرفی نے صاحب عرس کے حالات پر روشنی ڈالی۔ کئی کرامتوں کا ذکر کیا۔ دہلی میں جب ۲۸ کو، جوگیوں نے نقلی چاند دکھایا تھا تو آپ نے اپنی کھڑاؤں کو حکم دیا کہ جا، اُسے لے کر آ۔ کھڑاؤں اس کو مارتی ہوئی زمین پر لائی، وہ پیتل کا قلعی کیا ہوا چاند تھا۔ مولانا شاکر منڈھیتہ نے بھی اصلاحی تقریر فرمائی۔ آخری خطاب شیر میوات مفتی محمد اسحٰق اشفاقی بانی مرکز فروغ اسلام برکات اشفاق نے کیا۔ بزرگان دین کے حالات اور حالات حاضرہ پر خطاب فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ آج اگر ہم اپنی عظمت رفتہ واپس لانا چاہتے ہیں تو ہمیں بزرگان دین کے طریقے کو اپنانا ہوگا، سچا مسلمان بننا ہوگا کیوں کہ

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہوکر — ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

نظامت کے فرائض مولانا محمد عارف رضا نیّر اشفاقی نے انجام دِیے اور بتایا کہ حضرت شاہ چوکھا چشتی حضرت بندگی شاہ نظام نارنولی خانونی کے مرید وخلیفہ ہیں۔ آپ کی ولادت خراسان میں ۹۳۰ھ میں ہوئی اور وصال آپ کا ۵ جمادی الاولیٰ ۱۰۰۰ھ میں ہوا۔ آپ کے بارہ خلفاء ہوئے، تین نے تجرید کی زندگی گزاری۔ بقیہ سے نسل جاری ہوئی۔ ایک میواتی شاعر نے آپ کے بارے میں ایک شعر کہا ہے کہ

چشت گھرانے اولیاء قائم درست ایمان — آٹھوں تھا نے روشنی شاہ چوکھا بڑے مکان

شیخ سلیم چشتی سے دعا کرانے کے بعد اکبر نے اپنے معتمد لوگوں کو آپ کی بارگاہ میں بھی بھیجا تھا۔ آپ کو کچھ نہیں بتایا، فرمایا کہ ہم شیخ سلیم کی دعا کے ساتھ ہیں۔ آپ کا مزار و خانقاہ اکبر نے بنوائی، مزار شریف کے سرہانے ایک پتھر ہے جس پر آپ کے قدم کا نشان آج بھی نقش ہے۔ عرس میں بڑی تعداد میں عوام الناس شریک تھے اور علمائے کرام میں پیر طریقت قاری احمد راجشاہی، میانجی فجر الدین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ماسٹر سہراب قادری، طاہر ایڈوکیٹ نے تمام انتظام کی نگرانی فرمائی۔ اخیر میں صلوٰۃ وسلام قاری عبد المتین ثمری و مولانا رفیق نے پڑھا۔ دعا شیر میوات نے فرمائی اور اس کے بعد سب کو لنگر کھلایا گیا۔

اراکین درگاہ شاہ چوکھا کمیٹی ملنگواں، موضع چوکھا میوات، ہریانہ

نقوش رفتگاں

بندگی شیخ مصطفیٰ عثمانی-احوال وآثار

محمد شہروز مصباحی★

مولانا ابرار رضا مصباحی سے زمانہ طالب علمی سے واقف ہوں، اُس وقت وہ طالب علم تھے مگر اب ایک پروفیسر کی زبانی ''جناب ابرار رضا مصباحی صوفیت کے اصول اور شرع سے بخوبی واقف ہیں اور میدان تحریر کے ایک خاموش سپاہی ہیں جو برمحل اپنی قلمی صلاحیت کا استعمال خوب کرتے ہیں'' (پروفیسر جمال نصرت لکھنوی)

مولانا ابرار رضا مصباحی اس وقت شاہ عبدالعلیم آسی فاونڈیشن دہلی کے کرتا دھرتا ہیں۔تقریباً درجن بھر کتابوں کے مصنف، مولف، مرتب اور مترجم ہیں۔ ۱۰، اگست ۲۰۲۰ء کو بعد نماز عصر اپنی پہلی زیر ترتیب کاوش ''تاریخ موہنا'' کی کتابت واشاعت پر مشورہ کے لئے ان کے گھر پہنچا۔مولانا جتنے گفتار کے اخلاقی ہیں اُس سے زیادہ کہیں کردار کے غازی ہیں۔لاک ڈاون کے دوران کی کارکردگیوں پر تبصرہ ہوا۔لاک ڈاون کا علمی فائدہ کسی نے اٹھایا ہے ہو یا، نہ اٹھایا ہو مگر آپ نے بھر پور فائدہ اٹھایا کہ مفتی عبیدالرحمان رشیدی مدظلہ کے نام آئے ہوئے یا اُن کے بھیجے ہوئے خطوط کی حصولیابی میں بڑی تگ و دو کی۔ یہ خطوط عن قریب منظر عام ہر آنے والے ہیں۔ وقت رخصت کچھ کتابوں کا تحفہ بھی ملا۔کتابیں یہ ہیں:

(۱) تذکرہ مشائخ رشیدیہ معروف بہ ''سمات الاخیار'' تصنیف: مولانا عبد المجید کاتب رشیدی۔تحقیق، تدوین وتحشیہ: ڈاکٹر خوشتر نورانی
(۲) بوستان آسی اول، دوم۔ترتیب و تدوین : ابرار رضا مصباحی
(۳) دیوان آسی المعروف بہ عین المعارف۔از: حضرت آسی غازی پوری (۴) شرح قصیدہ غوثیہ (مع ترجمہ اردو) تصنیف: قمرالحق شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری۔ترجمہ: فخر الحسن رشیدی
(۵) حضرت شاہ طیب بنارسی: شخصیت اور کارنامے۔
(۶) بندگی شیخ مصطفیٰ عثمانی: احوال وآثار۔تصنیف: مولانا ابرار رضا مصباحی۔

واپس آتے ہی آخرالذکر کے مطالعہ کا آغاز کر دیا۔ حاصل مطالعہ آپ کے مطالعہ کی میز پر حاضر ہے:

بندگی شیخ مصطفیٰ عثمانی: احوال وآثار۔اشاعت: ستمبر ۲۰۱۷ء/ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ۔صفحات: ۲۸۲۔تعداد: ۶۰۰۔قیمت: ۳۵۰، ناشر: شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن۔انتساب: حضرت مفتی شیخ محمد عبیدالرحمٰن رشیدی مصباحی دام فیضانہ (زیب سجادہ: خانقاہ رشیدیہ جون پور، یوپی)

طباعت بہ تعاون: ایڈوکیٹ الحاج محمد عبدالعلی شکوری رشیدی (مختارِ عام خانقاہ مصطفائیہ چمنی بازار پورنیہ۔ساکن عملہ ٹولہ کٹیہار)

خانقاہ رشیدیہ جون پور کے بانی اور شہرہ آفاق کتاب ''مناظرہ رشیدیہ'' کے مصنف قطب الاقطاب شیخ محمد رشید عثمانی ہیں۔ ان کا مزار جون پور ہی میں ہے، ان کے والد گرامی حضرت بندگی جمال الحق شیخ مصطفیٰ عثمانی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔ان کا مزار خانقاہ مصطفائیہ چمنی بازار، پورنیہ، بہار میں ہے۔ یہ کتاب اُن ہی کی تفصیلی اور تحقیقی سوانح حیات ہے۔ اس موضوع پر یہ پہلی باضابطہ کتاب ہے۔ کتاب کی شروعات مولف کی ''صدائے دل'' سے ہوتی ہے بعدہ زیب سجادہ مفتی محمد عبیدالرحمٰن رشیدی کے دعائیہ کلمات ہیں۔ مفتی صاحب، سجادہ نشیں خانقاہ رفاقتی مظفر پور کا تاثر بھی شامل کتاب ہے۔مفتی محمود احمد رفاقتی لکھتے ہیں ''اگر فقیر نے اُن کو (مولف کو) نہ دیکھا ہوتا تو سمجھتا کہ کسی سن رسیدہ دیدہ ور عالم نے لکھا ہے'' مفتی صاحب کے اِس تاثر نے مطالعہ کے سلگتے شوق پر پٹرول کا کام کیا، اشتیاق اتنا بڑھا کہ یومیہ معمولات ترک کر کے مطالعہ میں مستغرق ہوگیا۔ مسلسل دو دن کے مطالعہ کے بعد ۱۲، اگست ۲۰۲۰ء کی صبح فراغت پائی۔

کتاب میں پروفیسر جمال نصرت کا تاثر بھی شامل ہے انہوں نے مولف کی کاوشوں کو سراہانے کے ساتھ ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا ہے۔تقریباً ۲۵ رصفحات پر مولف کا مقدمہ ہے۔پورنیہ کے سیاسی، مذہبی، علمی حالات کا تفصیل سے ذکر ہے۔اصل کتاب ص ۵۱ سے ہے۔ تسمیہ شریف سے اصل کتاب کی شروعات ہوتی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا ابرار رضا مصباحی نے اپنا نام زیر تالیف

غالباً از راہ انکساری لکھا ہے ورنہ یہ کتاب تالیف نہیں بلکہ ان کی باضابطہ تصنیف ہے، جو تحقیق کے منہج پر لکھی گئی ہے۔ تالیف میں عموماً "حاطب اللیل" کی طرح ہر رطب ویابس کو جمع کر دیا جاتا ہے اور بس مولف کی اس سے زیادہ کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ مواد اگر خام ہو تو اُس کی جواب دہی صاحب ماخذ پر ہوتی ہے، مولف پر نہیں جب کہ تحقیق میں دودھ کو پانی سے الگ کرنے کی سی محنت کرنی پڑتی ہے۔ مولانا نے اس کتاب میں یہی کام کیا ہے۔ مولف موصوف بلکہ محقق گرامی مولانا ابرار نے جگہ جگہ تحقیق کے ایسے جوہر بکھیرے ہیں کہ یہ انہی کا حصہ ہے۔ مختلف روایات کی تلاش، ان کے درمیان تطبیق، تطبیق ممکن نہ ہو تو ترجیح وتردید، یہ سب تحقیق کا حصہ ہیں۔ ابرار مصباحی نے کتاب میں ان سب سے کام لیا ہے۔

تحقیق کی چند جھلکیاں:

(۱) محمد اسحاق بھٹی نے "فقہائے ہند" میں شیخ مصطفی عثمانی کا لقب "شیخ رومی عثمانی" بتایا ہے، ابرار مصباحی نے اپنی کتاب کی شروعات ہی محمد اسحاق بھٹی پر 'تعاقب' سے کی ہے اور واضح کیا ہے کہ شیخ مصطفی عثمانی کا لقب "جمال الحق" اور "حضرت بندگی" تھا، البتہ آپ کے مورث اعلیٰ مخدوم یخشی رومی "شیخ رومی" اور "مخدوم رومی" کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔

(۲) مولانا عبد المجتبی رضوی نے "تذکرہ مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ" میں بانی خانقاہ رشیدیہ شیخ محمد رشید عثمانی اور شیخ یٰسین جھونسوی کو حضرت جمال الاولیاء کوڑوی کے خلفا میں شمار کیا ہے مگر ابرار مصباحی نے سمات الاخیار، گنج رشیدی وغیرہ سے ثابت کیا ہے کہ دونوں بزرگوں کی جمال الاولیاء سے شاگردی تو ثابت ہے، پر خلافت نہیں۔

(۳) ایک معرکۃ الآرا بحث حضرت بندگی شیخ مصطفی عثمانی کے سنہ وصال پر چھڑ گئی ہے۔ نزہۃ الخواطر میں وصال ۱۰۷۶ھ مذکور ہے۔ فقہائے ہند میں بھی ۱۰۷۶ھ مذکور ہے۔ میر سید غلام علی آزاد بلگرامی نے "ماثر الکرام" کے حاشیہ پر ۱۰۲۲ھ لکھا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے نزہۃ الخواطر کا حوالہ دیا ہے، جب کہ اس میں ۱۰۷۶ھ مذکور ہے اور سمات الاخیار میں ہے کہ آپ کے وصال کا سال تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں مل سکا۔ ان سبھی اقوال کو ذکر کرنے کے بعد ابرار مصباحی متعدد شواہد پیش کرتے ہیں، پھر لکھتے ہیں:

"اِس طرح واضح ہوتا ہے کہ حضرت کا وصال مناقب العارفین کی تصنیف سے قبل اور شیخ محمد رشید کے عقد کے بعد یعنی ۱۰۳۲ھ اور ۱۰۴۰ھ کے درمیان ہوا ہے۔ بعض قرائن کی نبیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا وصال ۱۰۳۸ھ میں ہوا ہے۔"

(۴) حضرت شیخ مصطفی عثمانی کے مورث اعلی میں ایک مخدوم شیخ یخشی رومی آتے ہیں، ان کا نام سمات الاخیار میں "یخشی" (ابتدا بیائے حطی) لکھا ہے اور گنج ارشدی میں "بخشی" (ابتدا بائے ابجد) ہے جب کہ "بحر زخار" میں بھی بائے ابجد کے ساتھ بخشی ہے۔ اِن سب روایات کے بعد مصنف کتاب ہذا لکھتے ہیں "اس طرح مخدوم رومی کے نام نامی میں مختلف روایتیں ہیں، لیکن اصل نام یخشی (بالیاء) ہے جو کتابت کی غلطی سے "یخشی" سے "بخشی" ہو گیا ہے۔" یہاں میں ابرار مصباحی کی توجہ اس طرف دلانا چاہوں گا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یخشی کی وجہ ترجیح کتاب میں مذکور ہوتی۔ کتابت کی غلطی کا احتمال یخشی اور بخشی دونوں میں ہے، اس لئے یخشی کو چن لینے پر وجہ مذکور ہونا چاہیے۔

(۵) شیخ مصطفیٰ عثمانی قدس سرہ بعد فراغت سکلائی سے ترک وطن کر کے سیدھے جون پور پہنچے یا پھر امیٹھی میں بھی کچھ عرصہ رہے۔ فقہائے ہند میں محمد اسحاق بھٹی نے سکلائی سے امیٹھی پھر امیٹھی سے جون پور جانے کا ذکر کیا ہے مگر ابرار مصباحی امیٹھی جانے کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک شیخ مصطفی عثمانی سکلائی سے جون پور پہنچے پھر وہاں سے پورنیہ تشریف لائے۔ مولانا موصوف نے کن شواہد کی بنا پر محمد اسحاق بھٹی کی روایت کو رد کیا ہے، یہ کتاب میں مذکور نہیں۔

(۶) ص ۸۲ کے آخر میں ایک جگہ کتابت کی غلطی بھی محسوس ہوئی عبارت یہ ہے "شیخ قیام الدین نے بندگی شیخ نظام الدین کو جو تحریر خلافت واجازت عطا کی ہے" میرے خیال میں یہاں شیخ نظام الدین کی جگہ شیخ مصطفی عثمانی کا نام ہونا چاہیے، انہی کی خلافت کا ذکر چل رہا ہے اور آگے جو تحریر خلافت کتاب میں پیش کی گئی ہے، اس میں بھی جمال الحق شیخ مصطفی عثمانی کا ہی نام مذکور ہے۔

(۷) ص ۲۸ کے آخر میں پورنیہ ضلع کی چوحدی بیان کی گئی ہے، اس میں بھاگل پور کو پورنیہ سے مغرب درشایا ہے جب کہ تقسیم پورنیہ سے قبل یا بعد، کسی وقت بھی کسی طرح بھاگل پور، پورنیہ سے مغرب نہیں آتا۔ غرض کہ من جملہ یہ کتاب حضرت بندگی جمال الحق شیخ مصطفی عثمانی کی حالات زندگی اور خانقاہ مصطفائیہ چمنی بازار کی تاریخ پر خصوصاً اور

خانقاہ رشیدیہ وسلسلہ رشیدیہ پر عموماً ایک علمی دستاویز ہے، ساتھ ہی مولانا ابرار رضا مصباحی زید مجدہ کی تحقیقی صلاحیتوں کا زندہ شاہکار۔ تحقیق کا کام کتنا جگر سوز ہوتا ہے، یہ وہی جانتا ہے جو اُس سے گزرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا ابرار کی اِس کاوش کو قبول فرمائے، ان کی عمر میں برکتیں، علم میں کشادگی، شوق میں جنون، حوصلہ میں بلندی اور اخلاق میں پختگی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم

☆ موہنا چوکی، کدوا، کٹیہار (بہار) **7545976669**

آسی فاؤنڈیشن دہلی سے شائع ہونے والی دیگر کتابوں کا تعارف بھی اجمالاً پیش کر دیتے ہیں

دینی احکام (صلاۃ طیبی): یہ مخدوم شاہ طیب بنارسی کی تصنیف ہے جو توحید، کلام، تصوف، فقہ کے موضوعات پر ہے۔ مترجم مولانا سیف الدین اعظمی ہیں۔ مفتی محمد عبید الرحمن رشیدی مصباحی کی تقریظ، کتاب اور صاحب کتاب کے عنوان سے ابرار رضا مصباحی کی تحریر اور مفتی آلِ مصطفی مصباحی کا طویل مقدمہ ہے۔ 464/صفحات، قیمت 225 روپے۔ اشاعت 2014۔ مخدوم شاہ طیب بنارسی۔ شخصیت اور کارنامے: مخدوم شاہ طیب بنارسی کی حیات وخدمات پر مبنی ایک اہم رسالہ۔ مؤلف ابرار رضا مصباحی ہیں اور پیش لفظ ارشاد عالم نعمانی کا ہے۔ 48/صفحات اور قیمت 20 روپے۔ 2014 میں شائع ہوا ہے۔

کراماتِ فیاضی: قمر الحق شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری کی کرامات اور ملفوظات پر ہے۔ اس کے جامع سید شاہ محسن پٹنوی ہیں۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں بشکل مخطوطہ ہے۔ اردو ترجمہ سید نواب خورشید ہاشمی جون پوری نے کیا ہے۔ 56/صفحاتی اس رسالے کی قیمت 20 روپے اور سنہ اشاعت 2014 ہے۔

معمولات قطب الاقطاب: قطب الاقطاب شیخ محمد رشید عثمانی جون پوری کے معمولات اور عبادات وظائف وغیرہ پر ہے۔ مؤلف مفتی شاہ محمد عبید الرحمٰن رشیدی ہیں۔ آسان زبان واسلوب میں کل 62/صفحاتی کتاب جس کی قیمت 30 روپے اور سنہ اشاعت 2015 ہے۔

بوستانِ آسی۔ جلد اول: عارف باللہ مولانا شاہ محمد عبد العلیم آسی سکندر پوری ثم غازی پوری کی دینی، علمی، روحانی اور شعری خدمات پر مقالات کا مجموعہ ہے۔ مفتی شاہ محمد عبید الرحمن رشیدی کا مقدمہ ہے۔ پانچ ابواب ہیں۔ باب اول: تأثرات و پیغامات، دوم: اعتراف و عظمت، سوم: سلسلۂ رشیدیہ اور مشائخ رشیدیہ، چہارم: عہد و پس منظر، پنجم: احوال و کمالات۔ 352/صفحات، قیمت 150/روپے اور سنہ اشاعت 2015 ہے۔ **بوستان آسی**۔ جلد دوم: مرتب ابرار رضا مصباحی ہیں۔ 368/صفحات، قیمت 200/روپے اور سنہ اشاعت 2015 ہے۔

گنج فیاضی۔ ایک مطالعہ: یہ قمر الحق شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری کے ملفوظ ''گنج فیاضی'' کا تفصیلی تعارف وتبصرہ ہے۔ تبصرہ نگار پروفیسر سید حسن عسکری ہیں۔ اس کی تاریخی، علمی، روحانی، اخلاقی، سماجی اور لسانی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مرتب ابرار رضا مصباحی ہیں۔ انھوں نے اس پر ایک مقدمہ بھی تحریر کیا ہے اور جگہ جگہ حواشی بھی لکھے ہیں۔ 72/صفحات، قیمت 30/روپے اور سنہ اشاعت 2015 ہے۔

تذکرہ مشائخ رشیدیہ (سمات الاخیار): یہ کتاب خانقاہ رشیدیہ جون پور کے مشائخ اور سجادگان کے احوال وآثار پر قریباً سو سال قدیم تصنیف ہے۔ مصنف مولانا عبد المجید کاتب رشیدی مصطفی آبادی ہیں۔ اِس اشاعت میں تین بزرگوں؛ حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش فانی گورکھپوری، منظور الحق سید شاہ مصطفی علی سبز پوش گورکھپوری اور حضرت سید شاہ ہاشم علی سبز پوش گورکھپوری کے حالات بھی شامل ہیں۔ ترتیب وتحقیق ڈاکٹر خوشتر نورانی نے انجام دی ہے۔ 302/صفحات، قیمت دوسو روپے اور سنہ اشاعت 2015 ہے۔

مناقب العارفین۔ حصہ اول: یہ کتاب مخدوم شاہ طیب بنارسی کے خلیفۂ اجل شیخ یٰسین جھونسوی کی تصنیف ہے۔ دو حصوں پر مشتمل تذکرہ فارسی زبان میں ہے جس میں چشتی بزرگوں کے احوال، مناقب، ملفوظات، واقعات اور ارشادات شامل ہیں۔ حصہ اول کا ترجمہ پروفیسر سید غلام سمنانی جون پوری نے کیا ہے۔ چھ بزرگوں کا تذکرہ ہے؛ شیخ طیب بن معین الدین بنارسی، شیخ تاج الدین جھونسوی، شیخ نصیر الدین جھونسوی، شاہ حسن داؤد بنارسی، شیخ فرید قطب بنارسی اور خواجہ مبارک سوندھو۔ آغازِ موضوع سے قبل مترجم کتاب کی دو تحریریں ہیں۔ اس کے بعد مفتی شاہ محمد عبید الرحمن رشیدی کا نہایت وقیع مقدمہ ہے۔ 184 صفحاتی کتاب کی قیمت 170/روپے اور سنہ اشاعت 2018 ہے۔ حصہ دوم کا ترجمہ مولانا ارشاد عالم نعمانی نے کیا ہے۔ (باقی صفحہ 39 پر)

یادِ رفتگاں

قیامت سے پہلے قیامت

ایک تھے مولانا ابوالحقانی

احمد جاوید (صحافی و کالم نویس)★

یہ ستمبر ستمگر کی ایک صبح تھی۔ ہر لحظہ ایک خوف، ہر ساعت نیا داغ، نئی برق جدائی، آج اس دوست نے زندگی کی جنگ ہار دی، ابھی اس بھائی کے آکسیجن لگ گئی، یہ لو! اچھے خاصے دوڑتے بھاگتے جوان وتوانا پڑوسی پر نمونیہ کا حملہ ہوگیا۔ یہ سنو! اُس روشن ضمیر درویش پر دل کا دورہ پڑا اور چل بسا جو خود جانے کتنے دلوں کی راحت، کتنے بے سکونوں کا سکون، بے آسوں کی آس تھا۔ کبھی ممبئی سے کسی ادیب کی ناگہانی موت کی خبر آ رہی ہے، کبھی دہلی میں کسی صحافی کے زکام میں مبتلا ہونے اور دوسرے ہی لمحے لائف سپورٹ پر چلے جانے کی اطلاع مل رہی ہے تو کبھی حیدرآباد یا ناگپور میں کسی شیخ الشیوخ کا وصال ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر تو دوسروں کی زندگی بچاتے بچاتے خود کتنے، کب اور کہاں کہاں دنیا سے جارہے ہیں، شمار ہی نہیں۔ ابھی کلکتہ سے خبر آئی کہ میاں جس عزیز سے مارچ میں مل کر آئے تھے، ستمبر میں آئے تو آنکھیں حسرت سے دیوار و در کو تکا کریں گی، اس ہنستے مسکراتے چہرے اور ان پیاری پیاری بولتی آنکھوں کو اب آنکھیں ڈھونڈا کرتی ہیں۔ کوئی شہر نشاط بھی اب شہر نشاط کہاں رہا۔

عجیب پر اسرار وَبا(۱) ہے، جسموں سے زیادہ ذہنوں کو گرفت میں لے لیا، کیا بلا ہے کہ ہر شخص ایک چلتی پھرتی موت ہے، اپنے سایہ سے بھی سراسیمہ، جانے کب، کہاں، کس کے سر کون سی قیامت گزر جائے۔ بھئی! مرنا تو ایک دن سب کو ہے لیکن یہ کیا کہ موت نے اسی پھول کو اچک لیا جس کے وجود سے چمن میں رونق تھی۔ سنا تھا فتنوں کے وقت کوئی ہوا چلے گی جو قیامت سے پہلے نیکوں کو اِس خرابے سے اٹھالے گی لیکن ہم پر تو قیامت سے پہلے ہی قیامت آن پڑی، جدھر دیکھیے نفسی نفسی کا عالم، ایک زہریلی ہوا ہے جو بچے، بوڑھے اور جوان، کسی کے دائیں سے گزر جاتی ہے اور جاں بلب کر دیتی ہے، کسی کے بائیں پہلو کو چھو جاتی ہے اور ہنستے کھیلتے گھر ماتم کدہ بن جاتے ہیں۔

ہمارے بزرگ وشفیق دوست، گزرے وقتوں کی شرافت کا نمونہ اور ہر دل عزیز صحافی خورشید ہاشمی نے ایک دن دوستوں کو اطلاع دی کہ ان کی طبیعت ذرا ناساز ہے، دو دن بعد بتایا کہ کچھ خاص بات نہیں، زکام ہی تو ہے اور اگلے دن آدھی رات کو دنیا چھوڑ گئے۔ مرحوم بہت کم گو تھے، ہر شور و شر سے دور ونفور، گئے تو ایک خوفناک سناٹا دے گئے۔ اسی رات ان کے چھوٹے بھائی مگر بڑے بافیض عالم وخطیب مولانا سید اقبال حسنی نے بھی جان جاں آفریں کے سپرد کر دیا۔ چھوٹے بڑے تھے پر مدرسے گئے تو ساتھ گئے، درس نظامی کی تکمیل ساتھ ساتھ کی، مدرسہ سے نکالے بھی ساتھ گئے(۲)، مبارکپور سے بنارس ساتھ آئے جہاں دونوں کے سروں پر فضیلت کی دستار بھی ساتھ ساتھ باندھی گئی لیکن کیا غضب ڈھایا کہ ساتھ ساتھ رخت سفر باندھا جبکہ عملی زندگی میں ایک نے تبلیغ وتدریس کو اپنا میدان بنایا تھا، دوسرے کو وقت نے قلم کا مزدور بنادیا تھا۔ مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کو کچھ زکام سا تھا، اپنے ایک رشتہ دار کی بارات میں چلے گئے، طبیعت ذرا بگڑی تو شہر کے سب سے اچھے ہاسپٹل میں داخل کرائے گئے لیکن جلد ہی کورونا وارڈ میں بھیج دئے گئے جہاں سے وہ نہ آئے، ان کا جسد خاکی آیا۔ اس دن بھی یہی ہوا، اس گھر کی حالت بھی یہی ہوئی، اس درد اور اس دکھ کا ادراک کس کو ہوسکتا ہے جو ایک باغ و بہار شخصیت کے اچانک اٹھ جانے سے اس کے عزیزوں رفیقوں کو ہوا ہوگا۔ یہ بھی کوئی جانے کا وقت تھا، ایسے بھی کوئی روٹھتا ہے، اس طرح ہاتھ جھٹک کر بھی کوئی گزر جاتا ہے۔ جانے والا کبھی تو ایسا نہ تھا۔ ہنستا کھیلتا انسان بھری بزم سے اٹھ گیا جیسے اسے کہیں جانے کی بہت جلدی تھی اور ہم نفسوں کی آنکھیں پتھرا گئیں کہ یہ کیا ہوا۔

میری آنکھیں آج ذرا دیر سے کھلی تھیں، سوشل میڈیا پر جانے کب سے خطیب اہل سنت، حافظ الاحادیث، فخر ایشیا، حضرت مولانا محمد حسین صدیقی ابوالحقانی کی رحلت کی خبر گردش کر رہی تھی۔ وہ ابھی دو تین دن پہلے بنارس میں تھے، وہاں سے رانچی گئے، پھر اچھے بھلے دربھنگہ آئے جہاں اچانک طبیعت بگڑی اور پھر اتنی بگڑ گئی کہ ڈاکٹروں کی انتہائی نگہداشت (آئی سی یو) میں چلے گئے لیکن سب تدبیریں الٹی

ہوگئیں، دوسرے دن کا سورج ڈوبا تو اپنے ساتھ اس آفتاب کو بھی لے ڈوبا۔ وہ پلٹ کر نہ آنے کے لئے ہم سے دور بہت دور چلے گئے۔ (۳)

میری آنکھوں میں اِس وقت ایک ساتھ دو تصویریں گردش کر رہی ہیں۔ کتابی چہرہ، کشادہ پیشانی، بولتی آنکھیں، مسکراتے ہونٹ، حنائی داڑھی جو کبھی گہری سیاہ تھی، دوہرا بدن، سر پر مضبوطی کے ساتھ مگر سلیقہ سے بندھی دستار یا صاف ستھری سفید کا مدار اونچی ٹوپی نہ اتنی اونچی کہ سر اٹھائیں تو گر جائے نہ اتنی بھاری کہ سر جھکائیں تو سنبھل نہ پائے، پورے عالمانہ وقار کے ساتھ مضبوط قدموں سے مجمع کے سامنے کھڑا ایک ایسا شخص جس کی زبان دریا کی روانی کو مات دیتی ہے، ایک ایک سانس میں کئی کئی حدیثیں سناتا ہے، ان کے حوالے پیش کرتا ہے، شارحین کی تشریحات اور حاشیے کی عبارتیں تک پڑھتا جاتا ہے، پھر اُسی والہانہ انداز میں اسی مضمون کے اشعار پڑھتا ہے اور کیا علما و دانشور، کیا کوئی عام آدمی جو سنتا ہے سنتا ہی رہ جاتا ہے، ابھی ایک جلسہ کے منبر خطابت سے اترا نہ تھا کہ دوسرے جلسہ کے لئے پابرکاب، ایک شہر سے آیا اور دوسرے شہر کو جانے کو تیار، خدا نے کیسی شہرت و مقبولیت سے نوازا ہے، لوگوں کے دلوں میں کیسی محبت اور طلب رکھ دی ہے کہ کورونا کی بندشوں کے زمانے میں بھی وہ گوشۂ عافیت میں بیٹھ نہیں سکتا تھا مگر اس کے باوجود کیا مجال ہے کہ طبیعت میں عجب، کردار میں تصنع اور مزاج میں احساس برتری نے خلل ڈالا ہو۔ چہرے پر بشاشت، ملنے جلنے میں بے تکلفی اور سلوک میں وضع داری کوئی اس سے سیکھے، حد تو یہ ہے کہ بچپن کے دوستوں، ہم سبق ساتھیوں، ابتدائی زندگی کے شناساؤں اور رشتہ داروں کے لئے جو دلچسپی محمد حسین کی ذات میں تھی، وہی مولانا ابوالحقانی کی شخصیت میں بھی ہے۔ دوسری تصویر معمولی چہرے مہرے کے دبلے پتلے، بوٹے قد کے پھرتیلے اور تیز تیز قدموں سے چلتے ایک جواں سال مولوی کی ہے، آپ جس کے وجود کا نوٹس بھی نہیں لیتے۔

میں اُس وقت غالباً ساتویں کا طالب علم تھا۔ اطراف دربھنگہ مدھوبنی میں اچانک کسی پالن حقانی کے جلسوں کا غلغلہ برپا ہوا۔ یہ صاحب گجرات کے پالن پور سے تعلق رکھتے تھے اور نام محمد حقانی تھا۔ موصوف کے عجیب و غریب کوائف مشہور تھے۔ مثلاً یہ کہ ان کے والدین غیر مسلم تھے، دونوں ڈاکو تھے اور یہ کچھ کے جنگل میں پیدا ہوئے، حمل میں تھے تو والدہ نے جنگل میں کسی فقیر کی کھچڑی کھائی تھی۔ یہ خود بھی قوال ہوا کرتے تھے، تائب ہو کر تبلیغ دین کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ یہ جو وعظ کہتے ہیں وہ فقیر کی اسی کھچڑی کی کرامت ہے ورنہ ان کی کوئی باضابطہ تعلیم نہیں ہوئی، صرف تبلیغی جماعت میں چند چلے لگا چکے ہیں۔ بڑا تام جھام تھا جناب کا، مولویوں کی ایک جماعت ہاتھوں ہاتھ لیے پھرتی تھی۔ ابھی تک لاؤڈ اسپیکر کا اسٹیریو ساؤنڈ سسٹم اتنا عام نہیں تھا۔ یہ جناب اپنے ساتھ ایک جیپ لے کر چلتے جو لیٹسٹ ساؤنڈ سسٹم سے لیس ہوتی۔ جلسہ گاہ میں ان کے پہنچنے کے بعد مائک بدلے جاتے، سسٹم انسٹال کیا جاتا پھر جناب خطاب کے لئے تشریف لاتے۔ ایک قوالی کے بول سے وعظ شروع کرتے ''اے ابر کرم اتنا نہ برس کہ وہ آنہ سکیں/اور آجائیں تو اتنا برس کہ وہ جا نہ سکیں'' پھر قرآن کی آیات اور احادیث پڑھتے، ان کا اپنا سا ترجمہ اور تشریح کرتے۔ ایسا کرتے وقت کتابوں کے حوالے بڑے اہتمام سے آیت نمبر، حدیث نمبر اور صفحہ نمبر کے ساتھ دیتے۔ اس وعظ کا یہی ایک نیا پٹ اور اسٹیریو ساؤنڈ سسٹم پر آواز کا زیر و بم تھا جس نے چاہنے والوں کو مبہوت کر رکھا تھا، جلسوں میں دور دور سے لوگوں کی بھیڑ آتی تھی۔ یہ اپنے ساتھ کچھ کتابیں بھی رکھتے۔ یاد آتا ہے کہ حمد و نعت کا ایک بے ترتیب سا مجموعہ تھا جو اُن کے وعظ ہی کی طرح 'اے ابر کرم اتنا نہ برس' کے بول سے شروع ہوتا اور 'شریعت یا جہالت' نام کی کوئی کتاب تھی جو ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھی۔ (۴)

لوآم میں مدرسہ اسلامیہ امانیہ کا ایک جلسہ ہونا تھا۔ ہمارے استاذ مولانا سلیم اختر بلالی نے مدرسہ کے پرنسپل مولانا شبنم کمالی (رحمۃ اللہ علیہ) سے اپنے دوست مولانا محمد حسین صدیقی کا ذکر کیا کہ وہ اچھے خطیب ہیں۔ وہ اُن دنوں آرہ کے مدرسہ فیض الغرباء میں پڑھاتے تھے، مولانا کی خواہش پر مدعو تو کر لیے گئے لیکن آئے تو کسی نے کچھ نوٹس نہ لیا۔ منبر خطابت پر لے جانے سے پہلے ہمارے 'بڑے مولانا' نے ان کو اپنا جبّہ پہنایا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حاضرین ان کو طالب علم تصور کریں اور سنجیدگی سے نہ لیں لیکن تقریر ہوئی تو ایسی ہوئی کہ کیا علما و طلبہ اور کیا عوام سب کے سب مسحور۔ پالن حقانی کے وعظ میں چند آیات اور احادیث کے مختصر ٹکروں کے ترجمے ہوتے، یہ بات کسی طرح بھی ہمارے گلے سے نہیں اترتی تھی کہ یہ وعظ کسی خدا رسیدہ فقیر کی کھچڑی کی کرامت ہے لیکن یہ جثہ اور یہ عالمانہ وفور یقیناً کسی کرامت سے کم نہ تھی۔ صحیحین اور دوسری کتب احادیث کے صفحے کا صفحہ پڑھتے جاتے ہیں اور مجمع دم بخود ہے۔

بڑے مولانا نے جوشِ محبت میں 'چھوٹے مولانا' کا نام ابوالحقانی رکھ دیا پھر تو اتر کے ساتھ اطراف میں مولانا ابوالحقانی کے جلسے ہونے لگے اور یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ استاذی مولانا بلالی مدظلہ العالی اب بھی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں تو اُن کی سرشاری قابلِ دید ہوتی ہے۔ وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''علامہ شبنم کمالی کی زبان سے بیساختہ نکلے الفاظ کسی فقیر کی دعا سے زیادہ تیر بہدف ثابت ہوئے۔ مولانا محمد حسین صدیقی مشرق و مغرب میں اسی نام سے جانے گئے، ان کے دیے ہوئے اس لقب نے جلد ہی ان کے نام کی جگہ لے لی اور ان کی شہرت دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگی۔ آج بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ابوالحقانی کا لقب ان کو علامہ شبنم کمالی نے دیا تھا اور ان کا اصل نام محمد حسین صدیقی ہے۔'' (۵)

آپ نے نصب العین چترویدی کو ضرور دیکھا سنا ہوگا، محمد حسین میں ابوالحقانی کی طرح، ان میں چترویدی بھی ہمارے بڑے مولانا کی دریافت تھے ورنہ موصوف دینی جلسوں میں اپنے بھوجپوری کلام اور خوبصورت نعت خوانی کے لئے جانے جاتے۔ اُن ہی دنوں کا ذکر ہے، جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے ایک سالانہ جلسہ (عرس حافظ ملت) میں مشائخ چشت کے ایک مشہور خانوادہ کے چشم و چراغ سید فاروق چشتی (۶) کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ ان کی طالب علمی کے زمانے کا ایک دوست تھا۔ تھوڑا کھسک کر اس کے لئے جگہ بنائی، پہلو میں بیٹھتے ہوئے اس نے سرگوشی کی 'ہم جیسے مقررین کی موجودگی میں یہ کس کس سے تقریر کروا رہے ہیں'' انہوں نے جواباً طنز کیا'' آپ سے دعا کرائی جائے گی'' دو تین تقریروں کے بعد ناظم اجلاس مولانا علی احمد سیوانی نے ایک ایسے خطیب کا تعارف کرانا شروع کیا جس کی زبان میں جادو ہے، جو بولتا ہے تو منھ سے پھول جھڑتے ہیں، جس کا سینہ احادیث کا گنجینہ ہے اور جو، احادیث کی چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا ہے (وغیرہ وغیرہ) سیوانی صاحب کو جنھوں نے دیکھا سنا ہے، جانتے ہیں کہ ان کا اندازِ نقابت کیا تھا۔ مجمع حیران ہے کہ یہ کون ہوسکتا ہے۔ نام لیا تو سید صاحب نے دیکھا کہ ابوالحقانی کوئی اور نہیں ان کا وہی دوست ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے ان کے پہلو سے اٹھا اور بولا'' بتاتا ہوں کہ تقریر کیا ہوتی ہے'' پھر اس نے احادیث و قرآن کا ایسا دریا بہایا کہ چھوٹے بڑے سب حیران، تقریر ختم کی تو سید شاہ فاروق چشتی اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پائے، اٹھ کر گلے سے لگالیا۔

ابوالحقانی خلد آشیانی کی یہ بے تکلفی اُن کے ہم عمر دوستوں اور ہم سبق ساتھیوں تک ہی محدود نہ تھی، وہ اپنے ان دوستوں اور عزیزوں سے بھی اسی گرمجوشی اور بے تکلفی سے ملتے اور اتنا ہی مخلصانہ و مشفقانہ تعلق رکھتے جو عمر اور حیثیت میں ان سے بہت ہی کم تھے۔ میرا دوست اور مشہور ثناخواں جابر اختر اُن سے پندرہ سولہ سال سے کم چھوٹا نہ ہوگا لیکن اسی طرح بے تکلف تھا جس طرح ہمارے استاد مولانا سلیم اختر بلالی جن کو وہ کبھی بلالی بھائی اور کبھی مولانا بلالی پکارتے۔ دہلی میں وہ اکثر و بیشتر قاضی اہل سنت مفتی محمد میاں ثمر دہلوی (علیہ الرحمۃ والرضوان) کے مہمان ہوتے اور اُن کے والد مفتی اعظم مولانا شاہ مشرف احمد دہلوی (سابق امام و خطیب شاہی مسجد فتحپوری دہلی) کے عرس میں تقریباً ہر سال شرکت کرتے۔ میری ان سے اکثر ملاقاتیں وہیں ہوئیں۔ ایک بار اُس موقع سے ملے تو کہنے لگے کہ' پاکستان جارہا ہوں، اخبار میں خبر آنی چاہیے'، میں نے کہا' یہ دہلی ہے اور یہاں سے تو ہر دن کئی لوگ دنیا بھر کے ملکوں کا سفر کرتے ہیں'۔ وہ بولے' بات تو صحیح ہے لیکن ابوالحقانی تو دنیا میں ایک ہی ہے اور ہندوستان کا دوسرا کون سا خطیب ہے جو اِس طرح وہاں بلایا جاتا ہے'' سنا ہے کہ کراچی کے جس مقام پر اُن کی تقریر ہوئی تھی، اس کا نام ابوالحقانی چوک رکھ دیا گیا۔

ہر سال صفر کے مہینے میں منعقد ہونے والا بریلی شریف کا عرس اعلیٰ حضرت غالباً اپنی نوعیت کا واحد میلہ (رضوی کتاب میلہ بھی) ہے جس میں دنیا کے کونے کونے سے اتنی بڑی تعداد میں علما و فقہا شریک ہوتے ہیں جتنی تعداد میں کہیں اور جمع نہیں ہوتے، ایک سے بڑھ کر ایک خطیب، مدرس، مصنف، قاضی اور مفتی۔ کون کس کو پوچھتا ہے کہ کون آیا، کون گیا اور کس کے منھ میں کتنے دانت ہیں۔ ایسے موقع پر بھی مولانا ابوالحقانی اپنی رہائش گاہ سے نکلتے تو اُن کے پیچھے چاہنے والوں کی بھیڑ لگ جاتی۔ اس واقعہ کا ذکر اُن کے رفیق دیرینہ مولانا بلالی نے ایک موقع پر کیا تو مولانا قمر الزماں مصباحی (۷) نے ان سے کہا کہ میں نے تو مکہ مکرمہ میں بھی ان کے ساتھ یہی دیکھا۔ وہ جدھر جاتے چاہنے والوں کی بھیڑ اُن کو گھیر لیتی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

محمد حسین صدیقی ابوالحقانی کی ولادت شمالی بہار میں نیپال کی

سرحد پر واقع مدھوبنی ضلع کے ایک بہت ہی دور افتادہ گاؤں ''لوکہا'' کے ایک متوسط کاشتکار عبدالجلیل کے گھر ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ وہ اپنے چھ بھائیوں میں والدین کے پانچویں بیٹے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں شروع ہوئی لیکن حسن اتفاق اُن ہی دنوں ان کی بڑی بہن کی شادی ہوئی اور اس شادی نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا۔ وہ اپنے بہنوئی مولانا زبیر احمد کے ساتھ مدرسہ حنفیہ غوثیہ جنک پور دھام (نیپال) بھیج دِیے گئے جو نیپال میں لوہنہ کے باشندہ اور مولانا جیش محمد صدیقی برکاتی کے بڑے بھائی ہیں۔ یہ دونوں بھائی اُسی مدرسے میں مدرس تھے۔ انہوں نے اس بچے کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے پہلے بریلی شریف بھیجا، پھر جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) میں داخل کرایا جہاں انہوں نے ۱۹۷۵ء میں درس نظامی کی تکمیل کی۔

مبارکپور میں ان کے ساتھیوں اور دوستوں سے پوچھئے تو کہیں گے کہ محمد حسین ایک اوسط طالب علم تھا، دور دور تک کسی کا گمان نہیں گزرتا تھا کہ ہمارا یہ قلیل الجثہ ساتھی ایک دن یہ مقام حاصل کرے گا کہ لوگ اس کو سننے دیکھنے کی آرزو کریں گے لیکن کوزہ گر جانتا تھا کہ مٹی میں کیا ہے۔ کچی مٹی کو کسی کوزہ گر کی ضرورت ہوتی ہے اور اُسے کمہار کا ہنرمند ہاتھ مل جائے تو اُس سے دیدہ زیب، قیمتی اور کارآمد ظروف نکل آتے ہیں۔ بت گر کی انگلیاں اسی مٹی سے وہ نقش ونگار نکال لیتی ہیں جو حسینوں کے لب ورخسار کو بھلا دیں مگر شرط ہے کہ مٹی نرم ہو، خود کو کمہار کے چاک کے سپرد کر دے اور اس کی انگلیوں پر گھومے۔ اسی طرح سنگ تراش کی نگاہیں پتھر میں مونالیزا دیکھ لیتی ہیں اور اس کی ہتھوڑی چھینی اُسے وہاں سے نکال کر ہی دم لیتی ہے۔ محمد حسین اور مولانا جیش محمد میں کچھ ایسا ہی تعلق تھا۔ وہ اُن ہی کے تتبع میں نام کے ساتھ صدیقی لکھنے لگے تھے ورنہ خاندان میں کچھ ایسا چلن نہ تھا۔

مولانا جیش محمد سچ مچ جیشِ محمد (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیر) تھے، نیپال میں احیائے سنت، عشق رسول اور تحفظ عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تحریک کے ایک بہت ہی پرجوش وبےخوف، راسخ ومتصلب مبلغ ومناظر جس کے امام وپیشوا پچھلی صدی کے ربع اول میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (نوراللہ مرقدہ) ہوئے ہیں۔ مولانا نے اس نوجوان فاضل کی تعلیم وتربیت اشرفیہ سے اس کی فراغت کے بعد بھی جاری رکھی۔ وہ ان سے احادیث یاد کرواتے، سنتے اور تلفظ یا اعراب کی کوئی غلطی پاتے تو درست کرواتے۔ ان کی باضابطہ عملی زندگی کا آغاز آرہ سے ہوا جہاں ان کو سید شاہ محمد قائم چشتی قتیلؔ داناپوری (سجادہ نشین خانقاہ چشتیہ نظامیہ داناپور) اور اُن کے خلف وجانشیں پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برقؔ داناپوری کی بافیض صحبتیں حاصل ہوئیں۔ (۸) مدرسہ فیض الغرباء آرہ جو شیخ المشائخ مولانا حافظ شاہ محمد فریدالدین جونپوری اور مولانا شاہ حکیم محمد معین الدین معین آروی (صاحب تحفہ الرسول) کی یادگار ہے، موصوف کو خوب راس آیا لیکن ابھی یہاں دو ڈھائی سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کی شہرت ومقبولیت کو وہ پر لگ گئے کہ ہر دن سفر میں گزرنے لگا۔ ہندوستان کا کون سا ضلع اور قصبہ تھا جہاں یہ نہیں گئے۔ درجنوں بار حج وزیارت کا سفر کیا، ملک کے کئی شہروں اور قصبوں کے لوگ ان کے ہمراہ حرمین شریفین کا سفر کرنا سعادت تصور کرتے۔ دنیا کے کئی دوسرے ملکوں کا بھی سفر کیا اور جنوبی افریقہ بار بار گئے۔ مولانا ابوالحقانی کی رحلت وبا سے ہوئی یا نہیں، کچھ کہا نہیں جا سکتا لیکن وہ خود ایک وبا تھے، جہاں جاتے لوگوں کے دل ودماغ میں سرایت کر جاتے۔ ایک وقت تھا کہ جس مولوی کو دیکھیے وہی ابوالحقانی بننا چاہتا، آیت نمبر، حدیث نمبر اور صفحہ نمبر رٹ رہا ہے لیکن ان کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلا۔ چالیس بیالیس برسوں سے ایک ہی ابوالحقانی تھا جس کا ثانی پیدا نہیں ہوا۔

ان کی عملی زندگی کا بیشتر وقت سفر میں گزرا، جلسوں میں بیتا لیکن وہ دوسرے خطیبوں کی طرح ٹھوس کاموں سے غافل نہ تھے۔ آبائی گاؤں 'لوکہا' میں دارالعلوم رضائے مصطفےٰ قائم کیا، دربھنگہ میں جامعہ فاطمۃ الزہرا، آر ایس میموریل ہاسپٹل بنایا۔ مولانا سلیم اختر بلالی کے ساتھ سنی جمعیۃ العلماء کے نام سے ایک مقامی تنظیم بھی قائم کی جس سے اس کمشنری کے اضلاع میں کئی کام کیے۔ ۸/ مارچ ۲۰۰۸ء کو دربھنگہ کے راج میدان میں امام احمد رضا عالمی کانفرنس میں وزیر اعلیٰ نتیش کمار کو بلایا، ان سے آر ایس میموریل ہاسپٹل کا افتتاح کرایا، جلسے میں پندرہ غریب بچیوں کے نکاح کے بعد تحفے میں ہر جوڑے کو پندرہ پندرہ ہزار روپے پیش کیے، لوگ باگ آج تک اس جلسے کو یاد کرتے ہیں۔ سنی جمعیۃ العلماء کی دوسری دو روزہ کانفرنس (۹) میں ایک شب خواتین کا جلسہ رکھا اور اس جلسہ سے خطاب کے لئے لندن، ممبئی اور بنگلور سے ڈاکٹر شیریں فاطمہ، محترمہ سلمیٰ باجی اور محترمہ غزالہ کو بلایا تاکہ مقامی خواتین کو تحریک ملے اور اُن میں تعلیمی بیداری آئے۔ دربھنگہ سے

انہوں نے سہ ماہی رسالہ ''خاتون جنت'' جاری کیا۔کئی کتابیں بھی لکھیں جن میں 'حاضر وناظر' زیادہ مشہور ہے ۔ جاتے جاتے کئی سوصفحات پر مشتمل 'اربعین حقانی' دے گئے جو،ابھی زیر طباعت تھی۔صحیح بخاری کی چالیس روایات پر مبنی یہ کتاب اصل میں سیکڑوں احادیث کو محیط اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت اور عشق وعرفان کا ایک دریا ہے۔

اردو کے مشہور شاعر وناقد اور اقبال اکیڈمی لاہور کے سابق ڈائریکٹر احمد جاوید کہا کرتے ہیں کہ ''اسلام ایک رسول مرکز (Prophet Centric) دین ہے اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ربانی حکمت کے اس سر (بھید) بلکہ سر اکبر کو نہ صرف دریافت کیا بلکہ اس دولت کو عام کرنے کا ذریعہ بنے۔اسی سیاق وسباق میں وہ یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت تو 'حدائق بخشش' میں ہیں اور آپ نے صرف ان کے فتوے رٹ رکھے ہیں،آپ ان کو اُن کے فتووں میں ڈھونڈتے ہیں۔''

مولانا ابوالحقانی ذہن میں آتے ہیں تو'حدائق بخشش' کے اشعار کے ساتھ آتے ہیں،انہوں نے اعلیٰ حضرت کے فتووں سے زیادہ حدائق بخشش کو حرز جاں بنایا تھا،اس سے ہٹ کر آپ ان کو سوچ ہی نہیں سکتے۔نصیب کی بات ہے کہ جاتے جاتے وہ اس دولت کو کتابی صورت میں بھی محفوظ کر گئے۔انسان کی یہ کمزوری بہت عام ہے۔وہ اپنے اردگرد کے حسن اور اس کی قدرومنزلت کو آسانی سے محسوس نہیں کرتا،یہاں تک کہ خود اپنے اندر کے جوہر کو دریافت کرنے میں بھی اکثر دیر کردیتا ہے،چیز ہے تو اس کی قدر نہیں کی،چلی گئی تو ہاتھ ملتا ہے۔ مولانا موصوف ومغفور کے ساتھ میرا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔وہ ایسے کھلے اور بے تکلف تھے کہ کبھی محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ وہ میرے بعض اساتذہ کے احباب میں ہیں اور اب تر سٹھ پار کر چکے۔میں ان کو اپنے شاعر وثنا خواں دوست جابر اختر سے ذرا زیادہ اور خطیب الہند سے کچھ کم تصور کرتا تھا،اس سے زیادہ سنجیدگی سے کبھی نہیں لیا۔'میاں! یہ بھی ثنا خوانی ہی تو ہے مگر منثور ومدلل،احادیث وآیات اور ان کے حوالوں سے مزین۔ وہ بھی یقیناً ہمارے تعلق سے کچھ ایسی ہی رائے رکھتے ہوں گے۔ ان سے آخری ملاقات مفتی عبدالواجد قادری (رحمۃ اللہ علیہ) کے عرس چہلم کے جلسے میں ہوئی تھی،شہ نشین کی دوسری تیسری صف میں تشریف رکھتے تھے،ہم سے ذرا روٹھے روٹھے سے تھے کیونکہ جو وقت علمائے کرام کو دیا جانا تھا،وہ 'غیر علما' کو دے دیا گیا تھا جن میں پروفیسر فاروق احمد صدیقی کے ساتھ یہ ناچیز بھی شامل تھا۔یہ جو ہمارے معاشرے میں 'تعلیم یافتہ' اور 'عالم' کی تفریق وتقسیم ہے،یہ نفسیات بھی ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنے نہیں دیتی۔ان کے جیتے جی تو اُن میں کسی بزرگی اور عظمت وکرامت کو دیکھنے کی توفیق نہ ہوئی لیکن اب جبکہ وہ ہمارے درمیان سے اچانک اٹھ گئے تو احساس ہوتا ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کا ایسا مبلغ اور مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا پاسبان بھی ہمارے درمیان اب اور کون ہے؟ قحط الرجال کے اِس دور میں ایک ہی عالم تو تھا جس کی نوک زباں پر امہات الکتب کے حوالے رہتے تھے،چٹکیوں میں دلوں کے خطرات کی دھول اڑا دیتا تھا۔اچھا کیا کہ عظیم آباد (پٹنہ) کی تاریخی خانقاہ 'درگاہ شاہ ارزانی' کے صاحب سجادہ پروفیسر سید شاہ حسین احمد نے 'کورونا' کی داروگیر کے دوران اٹھ جانے والوں کی یادوں سے یادداشتوں کو اجالنے کی تحریک دی اور میں نے اس گنج گرانمایہ کو اپنے لئے ازسرنو دریافت کیا۔

اہل خانقاہ اور اہل طریقت وتصوف نے تو ویسے بھی لوگوں کو ہمیشہ اپنے گردوپیش کے حسن کو محسوس کرنا سکھایا اور اپنے اندر کے جوہر کو دریافت کرنے کے ٹولس،طریقے اور سلیقے دیئے تا کہ ہماری سوچ کی نہج درست رہے،ہمارا اندر باہر دونوں مضبوط اور مثبت (پازیٹو) ہو،انسان اور انسانی معاشرے کی خوشحالی اور خوشگواری کا یہ ایک ازلی راز ہے۔ لَئِن شَکَرتُم لَاَزِیدَنَّکُم اسی اسرار کی نشاندہی ہے۔ ٹالسٹائی نے اپنی مشہور حکایت ''تین سوال'' میں اسی سچ سے پردہ اٹھایا ہے: اہم آدمی کون ہے،صحیح وقت کیا ہے اور اہم کام کون سے ہیں؟ میاں! جو کچھ میسر ہے،اس کی قدر کریں ورنہ وہ بھی چھن جائے گی اور آپ دور کے جلووں کی آرزو ہی کرتے رہیں گے۔اہل طریقت وتصوف زندگی کے رازداں ہیں،ان کا مشرب کسی کی موت کا ماتم بالکل نہیں،موت تو اُن کے نزدیک وصال ہے، عشرت قطرہ ہے،یہاں تو فنا ہے ہی نہیں،فنا بھی بقائے دوام ہے،درد کا حد سے گزرنا دوا ہو جانا ہے،اسی لئے وہ اس موقع کو عرس (شادی) کا نام دیتے ہیں۔بعض اہل ماتم ونوحہ صوفیہ کو اسی لئے اپنا مخالف تصور کرتے ہیں حالانکہ دلوں کی زمین کو آنسوؤں سے گیلا کرنے،غم فراق میں رونے اور اشکوں سے دل کو دھونے میں ان سے بازی کون لے سکتا ہے۔ انسانی جذبات کی یہ دونوں کیفیات تصویر کے دورخ ہیں،ان میں تطبیق و

توازن ہے، تضاد وتفریق نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ فطرت کے مختلف رنگوں اور شعور ولاشعور کے مختلف زاویوں میں یہی توازن اور یہی نظم وضبط صوفیہ کا کمال ہے۔ سائنس نے جب اسرارِ ذات وکائنات ہرکس وناکس پر کھول کر رکھ دِیے، یہ سمجھنا مشکل نہیں رہ گیا ہے کہ اس کی حکمت کیا ہے۔

معاف کیجیے! میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ پت جھڑ کے اِس موسم میں جب ہر دن شجر حیات کا کوئی پتّا ٹوٹ جاتا ہے، ہم قدرت کی اس حکمت کو فراموش کر کے نہ بیٹھیں کہ ہمارا وجود بھی دریائے حیات کا ایک قطرہ ہی تو ہے مگر کوئی بے قدر اور بے مقصد قطرہ ہرگز نہیں، دجلہ حیات کی موجوں پر اثر انداز نہ ہوئے تو کیا ہوئے، ایسا ہونا نہ ہونا برابر۔ شان کریمی نے موتی کی طرح چن لیا تو موت وصال ہے، عرس ہے، عشرت قطرہ ہے ورنہ خس وخاشاک کے لئے کیا دریا اور کیا جوہڑ جس کی قسمت میں ہواؤں کے جھونکے ہیں، موجوں کی مار ہے، تھپیڑے ہیں، طلاطم ہیں، ٹھوکریں ہیں اور دونوں جہان کی رسوائیاں ہیں۔ مولانا محمد حسین صدیقی رضوی ابوالحقانی کی ناگہاں رحلت کا سبق بھی یہی ہے۔ خداوند کریم ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے، ان کی خطاؤں کو بخشے اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

(خانقاہ دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ کے سیمینار ’یادِ رفتگاں‘ کے لئے لکھا گیا خاکہ)

حواشی: (۱) وبائی زکام کورونا (کوویڈ ۱۹)

(۲) ۱۹۷۵ء میں جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے چار طلبہ کا اِس شک کی بنا پر اخراج کیا گیا کہ انہوں نے ایک احتجاجی پوسٹر چسپاں کیا ہے جن میں یہ دونوں بھائی بھی شامل تھے حالانکہ اس میں ان چاروں میں سے کسی کا بھی کوئی ہاتھ نہ تھا۔ اس وقت یہ درس نظامی کے آخری سال میں تھے جب ان کے ساتھ یہ حادثہ ہوا۔

(۳) ہفتہ ۱۲/ستمبر ۲۰۲۰ء

(۴) بعد میں اس کتاب پر بڑی لے دے ہوئی اور بریلوی علما تو پہلے ہی گرفت کر چکے تھے، دیوبند کے دارالافتاء سے بھی فتوے آئے۔

(۵) علامہ ابوالحقانی ۰۰۰/ محمد سلیم اختر بلالی / روزنامہ ’انقلاب‘ پٹنہ/ اتوار ۱۹ ستمبر ۲۰۲۰/ص ۹

(۶) خانقاہ سلطانیہ بارہ بنکی اور خانقاہ سراجیہ ممبئی کے موجوہ صاحب سجادہ۔

(۷) طبیہ کالج رائے پور کے سابق استاد عربی وفارسی، مشہور خطیب، مصنف اور مدرسہ دینیہ غوثیہ کے صدر المدرسین۔

(۸) مولانا مرید تو مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا نوری میاں بریلوی (علیہ الرحمہ) کے تھے لیکن ان کو حضرت داناپوری سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔

(۹) ۱۳ و ۱۴/مارچ ۲۰۱۰ء لہریا گنج، مدھوبنی (بہار)

☆☆☆

☆ ریزیڈنٹ ایڈیٹر روزنامہ انقلاب، پٹنہ (بہار)

(باقی صفحہ ۳۳/کا) اِس حصے میں آٹھ بزرگوں کے احوال شامل ہیں؛ خواجہ محمد عیسیٰ تاج جون پوری، خواجہ فتح اللہ اودھی، خواجہ شہاب الدین ناگوری، خواجہ نصیر الدین محمد چراغ دہلی، خواجہ نظام الدین اولیا، خواجہ فرید الدین گنج شکر، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری۔ 288/صفحاتی اِس کتاب کی قیمت 250 روپے اور سنہ اشاعت 2016 ہے۔ **عین المعارف** (دیوان آسی): یہ قطب العرفاء والعشاق مولانا شاہ محمد عبدالعلیم آسی سکندر پوری ثم غازی پوری کا دیوان ہے۔ مرتب حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش فانی گورکھپوری ہیں۔ تحقیق ونظر ثانی ڈاکٹر فضل الرحمن شررؔ مصباحی نے کی ہے۔ ابتدا میں ابرار رضا مصباحی نے کلام آسی کا اشاعتی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس میں مجنوں گورکھ پوری کا طویل مقالہ بھی ہے۔ مرتب دیوان حضرت فانی گورکھپوری نے حضرت آسی کے حالات کو تفصیلی طور پر پیش کیا ہے۔ کل 416 صفحات، قیمت 400 روپے اور سنہ اشاعت 2017 ہے۔ **شرح قصیدئہ غوثیہ:** یہ قمر الحق حضرت شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری کی تصنیف ہے۔ مولانا فخر الحسن رشیدی چمپارنی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ابتدا میں ابرار رضا مصباحی کا مقدمہ ہے، جس میں انھوں نے اس قصیدے کی علمی اور ادبی اہمیت اور شارح قصیدہ غوثیہ کے احوال وآثار پر گفتگو کی ہے۔ پہلے متن پھر شرح کا اردو ترجمہ ہے۔ 78/صفحاتی کتاب کی قیمت 130/روپے اور سنہ اشاعت 2017 ہے۔ **گل دستہ** (اردو/ہندی): یہ حضرت آسی کے کلام کا انتخاب ہے جس میں آٹھ غزلیں، چار رباعیاں اور دو مشہور زمانہ سلام شامل ہیں۔ مرتب امتیاز سرمدؔ رشیدی ہیں۔ 24/صفحات ہیں، قیمت 10/روپے اور سنہ اشاعت 2017 ہے۔ مکتوبات جمالی: یہ کتاب جمال الحق بندگی شیخ مصطفی عثمانی کے فارسی خطوط کا مجموعہ ہے، جس میں کل 22 خطوط ہیں۔ اردو ترجمہ پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ نے کیا ہے۔ عرض مترجم کے علاوہ ابرار رضا مصباحی کا مقدمہ ہے جس میں مکتوبات نگار کے احوال وآثار اور علمی کمالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آخر میں اصل فارسی متن بھی ہے۔ 120 صفحات ہیں، قیمت 100 روپے اور سنہ اشاعت 2018 ہے۔ **دیوان فانی:** یہ شہود الحق سید شاہ شاہد علی سبز پوش فانیؔ گورکھپوری کا مجموعۂ کلام ہے۔ مرتب حضرت آنی گورکھپوری ہیں جو صاحب دیوان یعنی حضرت فانی گورکھپوری کے خلف وجانشیں اور خانقاہ رشیدیہ جون پور کے دسویں سجادہ نشیں تھے۔ اس میں حضرت اثیم خیرآبادی جو حضرت وسیم خیرآبادی کے خلف اکبر تھے، کا نہایت مبسوط مقدمہ ہے جو علمی وتحقیقی اور معلوماتی ہے۔ تحقیق ونظر ثانی ڈاکٹر فضل الرحمن شررؔ مصباحی مبارکپوری اور تصحیح وتہذیب ابرار رضا مصباحی اور امتیاز سرمدؔ رشیدی نے کی ہے۔ آغازِ دیوان میں ابرار رضا مصباحی کی ”ابتدائیہ“ اور صاحب سجادۂ خانقاہ رشیدیہ جون پور کے نام ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی کا مکتوب ہے۔ اس میں اثیم اخیرآبادی کا مقدمہ ہے۔ اس کے بعد باقاعدہ دیوان کی ابتدا۔ ۵۲۸/صفحات۔ طباعت اگست ۲۰۱۹ء۔ قیمت ۵۰۰/روپے ہے۔

پس منظر

۳۰ دسمبر ۲۰۲۰ء بنام ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء

مذہبی منافرت اور جذباتی سیاست کی سماجی تصویر

صفی سرحدی پشاوری★

میری پیدائش تو پشاور کی ہے، لیکن آبا و اجداد کا تعلق ضلع کرک سے ہے۔ ہمارے گاؤں کرک میں تقسیم سے قبل بہت سے ہندو آباد تھے۔ آج بھی میرے دادا اُنھیں بڑے شوق سے یاد کرتے ہیں، جن کے ساتھ میرے دادا کا بچپن گزرا ہے۔ دادا جی فوج میں تھے ۴۸ء اور ۶۵ء کی لڑائی لڑ چکے ہیں۔ ۶۵ء کی جنگ کے بارے میں دادا جی بتاتے ہیں، جب جنگ میں کوئی ہندو فوجی پکڑا جاتا، تو میں فوراً انھیں دیکھنے پہنچ جاتا کہ شاید اُن میں سے کوئی میرے بچپن کا دوست نکل آئے۔

پوری جنگ میں دادا جی، اس ایک حسرت میں قیدیوں سے ملتے رہے۔ سوچتا ہوں کہ ہمارے بڑوں نے کتنا اچھا دور گزارا ہے، اور آج یہ ہم کس دور میں آ گئے، جہاں ہم سے ایک مندر کا وجود تک برداشت نہیں ہو سکا۔ بالآخر آج اس تاریخی مندر کو بھی ڈھا دیا گیا جو کہ کرک میں مذہبی رواداری کی آخری نشانی تھی۔ یہ سب ایک دن میں نہیں ہوا۔ اس کے پیچھے کئی سال کی محنت ہے۔ حالاں کہ ایسا کچھ پہلے نہیں تھا۔ میں نے اپنے گاؤں کرک کے لوگوں کو بڑا لبرل پایا ہے۔

کرک کی خواتین کھیتوں میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ یہاں عمر میں بڑی عورت کے سامنے مرد باقاعدہ سر جھکاتا ہے اور وہ سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیہ انداز میں کہتی ہے: سترے ماشے (یعنی کبھی نہ تھکو) میں نے مرد ہوتے ہوئے عورت کے سامنے سر جھکانا اُسی کرک دھرتی میں سیکھا ہے۔

یہاں کے لوگ بہت مہمان نواز ہیں۔ اہل علاقہ پاس پڑوس میں کسی کے بھی گھر جا کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے گھر کو بالکل اپنے گھر جیسا مانتے ہیں۔ اگر کسی کو کھانے میں کچھ پسند نہیں، تو پڑوس میں جا کر پوچھیں گے، ''کیا بنا ہے'' ایسا شان دار اور اپنائیت والا ماحول، میں نے کہیں اور نہیں دیکھا۔ گاؤں کے ۷۰ فیصد مرد پڑھے لکھے ہیں، اس طرح ۹۰ فیصد لڑکیوں نے میٹرک کیا ہوگا۔ گاؤں میں تعلیمی ادارے کم ہیں، بہر حال جتنے ہیں وہاں دور دراز آس پاس کے دیہات سے طلبا، پیدل یا سواری کا انتظام کر کے پہنچتے ہیں۔

جن کی مالی حالت اچھی ہو، تو وہ اپنے بچوں کو نزدیکی شہر بنوں، کوہاٹ یا پھر دور دراز شہروں پشاور، راولپنڈی، اسلام آباد بھیج دیتے ہیں۔ کچھ والدین تو بچوں کی پڑھائی کی خاطر خود بھی بچوں کے ساتھ دوسرے شہر منتقل ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ کرک میں خٹک قوم آباد ہے، اسی لئے آج پاکستان بھر میں خاص کر خیبر پختون خوا میں آپ کو ہر ادارے میں خٹک قوم کے افراد، اہم عہدوں پر مل جائیں گے۔ خٹک قوم میں یہ خوبی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے بہت کام آتے ہیں۔ اگر گاؤں سے باہر کہیں بھی، خٹک قوم سے، کوئی دوسرے خٹک سے ملا، بھلے وہ گاؤں میں کسی کے کام نہ آتا ہو، مگر باہر وہ ضرور اپنائیت سے ملے گا۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ادارے میں کوئی نہ کوئی خٹک، اس لئے نکل آتا ہے کہ وہ باقاعدہ تعلیم سے محبت کی بدولت اس مقام تک پہنچ چکا ہوتا ہے۔

کرک کو خدا نے معدنیات سے نوازا ہے۔ تیل، یورینیم، گیس جیسی قیمتی معدنیات یہاں سے نکل رہی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آج بھی برائے نام چند دیہاتوں تک گیس فراہم کی گئی ہے۔ باقی کرک کو محروم کر کے گیس لائن، پنجاب تک پہنچ چکی ہے۔ یہاں بھی بلوچستان جیسا معاملہ ہے۔

ہر حال کرک کے عوام خوش حال ہیں، اس لئے کبھی مزاحمت یا احتجاج نہیں کر سکے۔ پورے کرک میں پانی کی بہت کمی ہے۔ کوئی مرد گھر کی عورت کو کنویں یا پمپ سے پانی لانے کے لئے، گھر سے باہر جانے کے لئے منع نہیں کرتا۔ ہاں! کسی کو بہت غیرتی بننا ہو، تو وہ گیلن ہاتھ گاڑی رکھ کر لے آتا ہے جب کہ خواتین سر پر گھڑا رکھ کر لاتی ہیں۔ بجلی تو پورے چوبیس گھنٹے میں فقط دو گھنٹے کے لئے آتی ہے۔

یہ تو ہو گئیں کچھ خوبیاں اور کچھ مسائل۔ اب آتے ہیں بیماری کی اصل جڑ کی طرف۔ کرک کے لوگ گزشتہ چار نسلوں سے فوج میں ہیں۔ میرے ابو کے نانا، جنگ عظیم اول کے دوران میں، برٹش فوج میں صوبیدار میجر تھے۔ انھیں آرڈر آف برٹش گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔ میرے دادا خود فوج میں رہے ہیں۔ میرے ابو، فضائیہ میں رہے۔ چچا اور

کزن سب ریاستی اداروں میں ہیں۔ ایک میں ہی اس طرف نہیں گیا ورنہ آج میں بھی فوج سے پالیسیوں پر اختلاف کی بجائے باقاعدہ فوج کے خلاف لکھنے والوں کو لتاڑتا رہتا۔

بہرحال مشرف دورِ حکومت میں ملک میں بے امنی کے عروج پر بھی شر پسند عناصر کرک میں ایک ٹھکانا تک بنانے میں ناکام رہے۔ اس ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ یہاں ہر گھر کے کسی نہ کسی فرد کا ریاستی اداروں میں ہونا ہے۔ وزیرستان، کرک کے بارڈر پر ہے لیکن کرک اپنے پنجابی پڑوسی میانوالی کی طرح محفوظ رہا، جب کہ اس کے پاس بنوں، وزیرستان، لکی مروت اور کوہاٹ تک بے امنی کے نشانے پر رہے ہیں۔ کرک کی تاریخ میں فقط ایک خودکش دھماکہ ہوا، وہ بھی ناکے پر روکے جانے پر، ورنہ اس کا ہدف کرک سے باہر کا تھا۔

ان تمام تر خوبیوں کے باوجود، ایسا بھی نہیں کہ کرک اندر سے محفوظ رہا، مگر باہر کی گڑبڑ میں کرک کا حصہ نہ رہا ہو۔ دھیرے دھیرے کرک اندر سے کم زور ہوتا جا رہا تھا۔ ریاستی اداروں کی طرف سے کشمیر جہاد کی کھلی چھوٹ تھی۔ اس لئے گاؤں سے شرکت کے خواہوں کو، گاؤں کے کسی ریاستی اہل کار کی طرف سے مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں بچپن میں جب گاؤں جاتا، تو دیوار پر "البدر مجاہدین" کی وال چاکنگ نظر آتی، جس پر کشمیر جہاد کے لئے نعرے درج ہوتے جیسا کہ "جہاد میری امت کی فقیری ہے، جہاد تا قیامت جاری رہے گا، کشمیر ہماری شہ رگ ہے" وغیرہ

آج بھی پہلے کے لکھے یہ نعرے کہیں نہ کہیں نظر آ جاتے ہیں۔ بہرحال جنرل مشرف کے ابتدائی دور میں گاؤں میں دینی مدارس میں کچھ ایسے عناصر جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے، جو گاؤں کو قدامت پرستی میں دھکیلنے کے مشن پر تھے۔ یہ عناصر مقامی نہیں تھے۔ ان میں سے ایک مفتی صاحب، جو مجھے یاد پڑتے ہیں، وہ بھی باہر سے آئے تھے۔ انھوں نے ایف ایم ریڈیو بھی شروع کیا تھا۔ وہ کرک میں، ہمارے گاؤں نری پنوس اور ڈگر نری کے آس پاس علاقوں پر اپنے بیانات سے غلبہ پانے لگے۔ انھیں شہرت ملنے لگی تو انھوں نے گاؤں میں پردہ عام کرنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں، جلد ہی گاؤں میں برقعہ نظر آنے لگا۔ اسکول کی لڑکیاں برقعہ اوڑھنے لگیں۔ شادی بیاہ پر مہندی اور ناچ گانے جیسے رسومات میں کمی آنے لگی۔ قبروں کو نہایت سادہ بنایا جانے لگا۔ عورت اگر مر گئی تو قبر پر کتبہ تو دور کتبے پر عورت کا نام تک برداشت نہیں ہوتا۔ خود جب میں نانی کی قبر پکی کراتے وقت، کتبہ لگانے لگا تو ایک رشتے دار آئے کہ کتبہ نہ لگاتے، اس میں نام درج ہے۔ یہاں عورت کا نام قبر پر درج کرنے کا رواج نہیں۔ میں نے اسے شٹ اپ کال کے طور پر کہا کہ میری نانی ممتاز بیگم مرنے کے بعد دوسری عورتوں کی طرح بے نام نہیں رہے گی۔

مشرف کے اختتامی دور کے قریب یہ پیش رفت جاری تھی۔ ان عناصر نے مسلح ہو کر کرک میں داخلے کی کوشش کی۔ اس دوران میں جہاد کے نام پر ایک خفیہ نیٹ ورک سرگرم ہو گیا، جو کرک سے لڑکوں کو ورغلا کر وزیرستان لے جا کر، وہاں سے افغانستان پہنچا دیتے۔ میرے ایک رشتہ دار کو بھی اس نیٹ ورک نے ورغلایا۔ اس کے گھر والوں نے راتوں رات اس کا پیچھا کرتے ہوئے ان سے چھڑایا۔ اسے آگے لے جانے والے گاؤں ہی سے بھرتی کیے لوگ تھے۔

ان دنوں میں گاؤں میں تھا۔ ایک رات فوج کا مسلح قافلہ آیا اور آپریشن کرتے ہوئے، مختلف گھروں سے، اس نیٹ ورک کے لوگوں کو پکڑ کر لے گئے۔ یہ کارروائی گاؤں کے اندر، ریاستی اداروں میں کام کرنے والوں کی وجہ سے ممکن ہوئی، جنھوں نے گاؤں کو اُن لوگوں کے چنگل سے آزاد کرایا۔ اس کے بعد گاؤں کے لوگوں نے کچھ سکھ کا سانس لیا۔

لیکن اس دوران میں گاؤں کو بدنام کرنے کے لئے ایک پرانی کوشش جاری تھی اور وہ کوشش مندر کو توڑنے کی تھی۔ گاؤں میں جو گند آیا تھا، وہ تو نکل کر جا چکا تھا، یا اُٹھا لیا گیا تھا، مگر اس گند نے آگے جن لوگوں کو متاثر کیا، وہ برابر اپنا کام کرتے رہے۔ گاہے بگاہے مسجد مدرسوں میں مندر کے خلاف بولتے رہے۔

پہلے اس مندر کا پس منظر جان لیتے ہیں۔ کرک میں ٹیری ایک بڑا گاؤں ہے جو کہ ایک وقت میں باقاعدہ الگ ریاست تھی۔ نواب آف ٹیری کو گوگل پر سرچ کر لیں، آپ کو اُن کے متعلق بہت کچھ مل جائے گا۔ ٹیری میں واقع یہ مندر، پاکستان میں ہندوؤں کے سب سے بڑے گرو مہا راج پریم ہنس کا مندر ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے ٹیری میں مہاراج کا ۴۶ کنال پر مشتمل بہت بڑا مندر، آشرم تھا۔ وہ ٹیری ہی میں فوت ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد، جب ہندو یہاں سے چلے گئے، تو یہاں مقامی لوگ مندر کے احاطے پر قابض ہو گئے۔ پھر ۱۹۹۷ء میں ایک مقامی مفتی نے مشتعل ہجوم کی قیادت میں بچے کھچے مندر اور گرو کی سمادھی کو توڑ دیا،

جہاں ان کی راکھ دفن تھی۔ تب سوشل میڈیا نہیں تھا، سو کوئی یہ خبر نہیں جان سکا۔ بہر حال چند سال پہلے، سندھ کے ہندو ایم این اے رمیش نے سپریم کورٹ جا کر دوبارہ رقبے کی حوالگی اور مندر کی تعمیر کا کیس دائر کیا۔ اس کیس کا فیصلہ، ان کے حق میں آ گیا۔ اس کے بعد مندر اور سمادھی کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔ گو کہ ٹیری میں ایک ہندو بھی آباد نہیں، مگر اُس مندر کے بننے کے بعد، پاکستان ہندو کونسل نے کہا تھا کہ پورے پاکستان، سندھ اور انڈیا تک سے یہاں ہندوؤں کی آمد و رفت شروع ہو جائے گی لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے، جن دنوں اس مندر کا افتتاح ہوا، اُن دنوں میں گاؤں میں تھا۔ مساجد میں مولویوں کے ردعمل کی وجہ سے، ہر چہرہ اضطراب کا شکار تھا۔ خود میرے پڑھے لکھے رشتے دار، مندر کے کھلنے پر حیران اور اداس نظر آئے۔ تب میں نے انھیں کہا کہ پہلے گھر سے (ہندو) ڈش انٹینا پھینک دیں، جس پر ہر وقت انڈین فلمیں چلتی ہیں۔ اس وقت ہمارے گاؤں نری پنوس سے تعلق رکھنے والے بائیس گریڈ کے ایک ریٹائر افسر بھی، فیس بک پر مندر کھلنے کے خلاف بول رہے تھے (یہ حالت ہے ہمارے یہاں اعلا عہدوں پر پہنچنے والوں کی) چوں کہ انھوں نے آئندہ الیکشن لڑنا تھا، اس لئے ان کا یہ رویہ سمجھ میں بھی آیا۔ ویسے تو پورا کرک صد فیصد سنی آبادی پر مشتمل ہے، لیکن ٹیری کی بات اور ہے۔ وہاں قادیانی بھی رہتے ہیں اور تاریخی پرانے مندر کی وجہ سے، ان کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ٹیری کئی سالوں سے کرک کے انتہا پسند طبقے کے نشانے پر تھا، لیکن انھیں کوئی قیادت میسر نہیں تھی اور اکیلے یا ٹولے کی شکل میں مندر کو توڑنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔

ہندو عبادت کے لئے سکیورٹی کے ساتھ کبھی کبھی آ جاتے۔ مندر میں عبادت کر کے واپس چلے جاتے لیکن مندر کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے مندر انتظامیہ نے مقامی شخص سے زمین کی خریداری کی بات کی۔ اس کی خبر بم کی طرح انتہا پسند طبقے پر آ گری۔ جس کے بعد مندر کا قصہ تمام کرنے کے لئے میٹنگیں شروع ہوئیں۔ اس سے کرک انتظامیہ اور پولیس پوری طرح باخبر تھی۔ کرک میں زیادہ تر مدرسوں پر جمعیت علمائے اسلام کا کنٹرول ہے۔ سو انتہا پسند طبقے کو لیڈ کرنے کے لئے ایک مضبوط چھت بھی مل گئی، جس کے بعد مندر توڑنے کی تحریک کو جمعیت علمائے اسلام کرک لیڈ کرنے لگی۔ کچھ عرصہ پہلے مولانا فضل الرحمان نے اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کے حوالے سے اپنا موقف کچھ یوں بیان کیا تھا:

''پاکستان کسی اسلامی جنگ کے نتیجے میں مفتوحہ ریاست کی حیثیت سے قائم نہیں ہوا، بلکہ یہ پہلے سے موجود اُس خطے میں ایک معاہدے کے تحت وجود میں آیا، جہاں اقلیتیں اور مسلم آبادی پہلے سے سکونت پذیر تھیں۔ چناں چہ پاکستان میں اقلیتوں کو برابر کے حقوق حاصل ہیں اور اس حوالے سے انھیں ان کے مذہبی رسومات کی بھی آزادی حاصل ہے۔''

ایک طرف مفتی تقی عثمانی اسلام آباد مندر کے خلاف بیان دے رہے تھے کہ سرکاری خرچ پر مندر نہ بنایا جائے، جب کہ کرتار پور گوردوارہ سرکاری خرچ پر تعمیر ہوا، مگر طاقت ور اداروں کی وجہ سے مفتی تقی عثمانی مکمل خاموش رہے (ان کا زور کم زوروں پر چلتا ہے) دوسری طرف مولانا فضل الرحمان نے یہ جرات مندانہ موقف اپنایا، جس کے لئے وہ تعریف کے مستحق ہیں، مگر مولانا صاحب کرک سے بے خبر رہے، کہ وہاں ان کی ہی پارٹی کے پرچم تلے مندر کو ڈھانے کا منصوبہ تیار ہو چکا ہے۔ بالآخر کئی برسوں کی محنت کے بعد ۳۰ دسمبر ۲۰۲۰ء کو کرک کے انتہا پسندوں کی محنت رنگ لائی۔

پہلے جمعیت علماء اسلام کی قیادت کے زیر انتظام ایک جلسہ ہوا جس میں مولانا سمیع الحق پارٹی کرک کے رہنما اور کارکن بھی شامل تھے۔ اس میں دونوں پارٹیوں کی طرف سے شرکاء کو اشتعال دلایا گیا۔ گو کہ پہلے سے طے شدہ تھا کہ مندر توڑنے جانا ہے، تو ہر حال میں جانا ہے۔ جب شرکا کو جوش آیا، تو ہر ایک نے کدال اٹھا کر مندر کا رخ کیا۔ مندر کو دن دیہاڑے توڑ کر نذرِ آتش کرنے کے بعد، مندر کی چھت پر جمعیت کا پرچم لہرایا گیا، اور نیچے شرکاء، الجہاد الجہاد کے نعروں سے جواب دیتے رہے۔ میرے گاؤں کرک کی نیک نامی کا سفر یہیں تمام ہوا۔

میں نے اپنے گاؤں کو بڑا لبرل پایا تھا۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ میں کسی دن اپنے گاؤں کو یہ کریڈیٹ ضرور دوں گا کہ کچھ روشن خیالی کی چیزیں مجھ میں گاؤں سے منتقل ہوئی ہیں، لیکن مجھے یہ اندازہ نہ تھا کہ میں اپنے گاؤں کی تعریف، اس سیاہ دن سے کروں گا۔ میرے خوب صورت گاؤں، میں تمہاری نیک نامی ہمیشہ محسوس کروں گا، مگر اس کا تعلق میرے ماضی سے رہے گا۔

اے آج کے کرک! میں تجھ پر پُر شرم سار ہوں۔

☆☆☆

منظر نامہ

دفعہ ۳۷۰ کے خاتمہ کے بعد

کشمیر میں خواتین واطفال کے بڑھتے مسائل

منظر محسن نعیمی★

برصغیر کی تقسیم کے وقت جموں وکشمیر کے حکمران راجہ ہری سنگھ نے پہلے تو خودمختار رہنے کا فیصلہ کیا، بعدازاں مشروط طور پر انڈیا سے الحاق پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ اس صورت حال میں انڈیا کے آئین میں شق ۳۷۰ کو شامل کیا گیا جس کے تحت جموں وکشمیر کو خصوصی درجہ اور اختیارات دیے گئے۔ تاہم ریاست کی جانب سے علیحدہ آئین کا بھی مطالبہ کیا گیا جس پر ۱۹۵۱ء میں وہاں ریاستی آئین ساز اسمبلی کے قیام کی اجازت بھی دے دی گئی۔ انڈین آئین کی شق ۳۷۰ ،عبوری انتظامی ڈھانچے کے بارے میں ہے اور یہ دراصل مرکز اور ریاست جموں وکشمیر کے تعلقات کے خدوخال کا تعین کرتا تھا۔

یہ آرٹیکل ریاست جموں وکشمیر کو انڈین یونین میں خصوصی نیم خودمختار حیثیت دیتا ہے اور ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعظم شیخ عبداللہ اور انڈین وزیر اعظم جواہر لعل نہرو کی اس پر پانچ ماہ کی مشاورت کے بعد اُسے آئین میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کے تحت ریاست جموں وکشمیر کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ انڈیا کے آئین کی جو دفعات دیگر ریاستوں پر لاگو ہوتی ہیں، اس آرٹیکل کے تحت ان کا اطلاق ریاست جموں وکشمیر پر نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے تحت ریاست کو اپنا آئین بنانے، الگ پرچم رکھنے کا حق دیا گیا تھا جبکہ انڈیا کے صدر کے پاس ریاست کا آئین معطل کرنے کا حق بھی نہیں تھا۔ اس آرٹیکل کے تحت دفاع، مواصلات اور خارجہ امور کے علاوہ کسی اور معاملے میں مرکزی حکومت یا پارلیمان ریاست میں ریاستی حکومت کی توثیق کے بغیر انڈین قوانین کا اطلاق نہیں کرسکتی تھی۔

یادرکھنے کی بات یہ ہے کہ بھارتی آئین کے آرٹیکل ۳۶۰ کے تحت وفاقی حکومت کسی ریاست میں یا پورے ملک میں مالیاتی ایمرجنسی نافذ کرسکتی ہے تاہم آرٹیکل ۳۷۰ کے تحت انڈین حکومت کو جموں وکشمیر میں اس اقدام کی اجازت نہیں تھی۔

آرٹیکل ۳۵ اے کیا تھا؟ آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے کے ساتھ ہی صدارتی حکم کے تحت اس میں شامل کیا جانے والا آرٹیکل ۳۵ اے بھی ختم ہوگیا ہے جس کے تحت ریاست کے باشندوں کی بطورِ مستقل باشندہ پہچان ہوتی تھی اور اُنہیں بطورِ مستقل شہری خصوصی حقوق ملتے تھے۔ اس قانون کی رُو سے جموں کشمیر کی حدود سے باہر کسی بھی علاقے کا شہری ریاست میں غیر منقولہ جائیداد کا مالک نہیں بن سکتا تھا، یہاں سرکاری نوکری حاصل نہیں کرسکتا۔ نہ کشمیر میں آزادانہ طور سرمایہ کاری کرسکتا ہے۔ یہ قوانین ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۲ء کے درمیان مرتب کیے تھے اور ان ہی قوانین کو ۱۹۵۴ء میں ایک صدارتی حکم نامے کے ذریعہ آئین ہند میں شامل کرلیا گیا تھا۔

۵ اگست ۲۰۱۹ء میں مرکزی حکومت نے آرٹیکل ۳۷۰ کو ختم کرکے وہاں کانسٹی ٹیوشن (اپلی کیشن ٹو جموں وکشمیر) آرڈر ۲۰۱۹ء خصوصی آرٹیکل نافذ کردیا ہے، جس کے تحت اب بھارتی حکومت وادی کو وفاق کے زیر انتظام کرنے سمیت وہاں پر بھارتی قوانین کا نفاذ بھی کرسکے گی۔ مرکز کی مودی حکومت نے وادی کو ۲ حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے لداخ کو جموں وکشمیر سے علیحدہ کردیا ہے اور یہ علاقہ اب بغیر کسی قانون ساز اسمبلی کے حق کے ہی براہ راست انڈیا کا حصہ بنادیا گیا ہے۔ یہ دونوں نکات ماضی میں کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ ان کے خاتمے کے بعد کشمیر میں غیر کشمیری غیر مسلموں کی آبادکاری، جائیداد، مستقل رہائش، تعلیم اور روزگار کے حصول کو ممکن بنادیا گیا ہے۔ جو نہ صرف اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی ۴۷، ۵۱، ۸۰، ۹۱، ۹۸، ۱۲۲ اور ۱۲۶ قرارداد کی خلاف ورزی ہے بلکہ کشمیریوں کے حقوق کے بھی منافی ہے۔

مرکز کی بھاجپا حکومت کا دعویٰ ہے کہ آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے کے بعد کشمیر کے حالات بہتر ہوئے ہیں، عسکریت پسندی اور تشدد میں کمی آئی ہے اور حالات معمول پر آرہے ہیں۔ تاہم مبصرین اور سیاسی رہ نماؤں کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ طوفان سے پہلے کی خاموشی بھی ہوسکتی ہے۔ مختلف سیاسی جماعتیں اور رہنما اِس نظریے کی تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

کشمیر کے معاملے پر بات چیت بہت ضروری ہے۔ میرے خیال سے یہ کہنا قبل از وقت ہوگا کہ کشمیر کے حالات بہتری کی جانب جا رہے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی ملک وشہر میں ہنگامی صورت حال پیدا ہوتی ہے، چاہے وہ وبا کی صورت میں ہو یا پھر جنگ کی، اس میں سب سے زیادہ متاثر خواتین اور بچے ہوتے ہیں۔ جنگی صورت حال میں خواتین کے مسائل قدرے بڑھ جاتے ہیں۔ پہلا مسئلہ تو ہجرت کا ہے۔ چوں کہ عورتوں کا زیادہ وقت گھر میں گزرتا ہے، تو جب ان کو ہجرت کرنی پڑے تو اُنھیں مردوں کی نسبت جسمانی و ذہنی الم بھی قدرے زیادہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ دوسرا مسئلہ جنگ کے دوران اُن کا بطورِ ہتھیار استعمال ہونا ہے۔ چوں کہ وہ جسمانی طور پر مردوں سے کمزور ہوتی ہیں، اس وجہ سے آسانی سے دشمن کے مذموم عزائم کا شکار بن جاتی ہیں۔ جیسے کشمیری خواتین کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ ہیومن رائٹس واچ کی ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۶ء میں شایع ہونے والی دونوں رپورٹیں کرتی ہیں۔

بھارتی حکومت نے ۲۰۱۳ء میں خواتین اور لڑکیوں کی زندگی بہتر بنانے کے لئے مثبت اقدام کیے۔ ۲۰۱۱ء اور ۲۰۱۳ء کے درمیان بھارت نے عالمی اقتصادی فورم کی عالمی صنفی فرق رپورٹ میں اپنا درجہ ۱۱۳ر سے بہتر بنا کے ۱۰۱ر کر لیا۔ البتہ عدم مساوات، امتیاز اور گھریلو تشدد، خاص طور سے بھارت کی غریب ترین ریاستوں میں اب بھی عام ہیں۔ بھارتی سرکاری اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ۱۵ سے ۴۹ سال کی بھارتی عورتوں کی ۳۵ فی صد تعداد نے جسمانی تشدد کا سامنا کیا ہے۔

جسٹس ورما کمیٹی (جسے بھارتی حکومت نے خواتین کے خلاف جرائم سے نمٹنے کے لئے بھارتی اداروں کی اہلیت کا جائزہ لینے کے لئے تشکیل دیا تھا) کی سفارشات کے بعد بھارتی پارلیمنٹ نے کرمنل لا بل منظور کیا جس کا مقصد خواتین کے خلاف پر تشدد جرائم پر بھارتی قوانین کو مستحکم بنانا ہے۔ بل اُن عوامی اہل کاروں کو سزائیں دیتا ہے جو جنسی جرائم کے سلسلے میں اپنے فرائض انجام دینے میں ناکام رہے، اس بل میں تیزاب پھینکنے، پیچھا کرنے، دست درازی کرنے اور بری نظروں سے تاڑنے کے باب میں نئی سزائیں رکھی گئی ہیں۔

بھارتی حکام نے فاسٹ ٹریک عدالتوں اور عوامی تحفظ کے اقدامات متعارف کرانے کا سلسلہ جاری رکھا ہے جس میں عوامی ٹرانسپورٹ میں سی سی ٹی وی کی تنصیب اور ہیلپ لائنز کا قیام شامل ہے۔ اس کے علاوہ خصوصی پولیس اسٹیشن بنائے گئے ہیں جن میں صرف خواتین پولیس افسر ہوتی ہیں تا کہ خواتین آگے آئیں اور جرائم کی اطلاع دے سکیں۔ متنازعہ علاقوں میں خواتین پر سب سے زیادہ بوجھ پڑتا ہے اور مقبوضہ علاقوں میں وہ مظالم کا شکار بنتی ہیں یہی صورتِ حال کشمیر میں بھی ہے۔

کشمیر انسانی ظلم و جبر کی بدترین مثال ہے اور بالخصوص وہاں عورتوں کے حقوق کی صورتِ حال انتہائی دگرگوں ہے۔ کشمیر میں خواتین بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم ہیں جو یونیورسل ڈیکلیریشن آف ہیومن رائٹس (UDHR) اور خواتین کے حقوق کے عالمی بل یعنی ۱۹۷۹ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاس کیے گئے Convention on the elimination of all form of discrimnation against women) (CEDAW کے تحت دیے گئے ہیں۔ یہ بل عورتوں کو سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور زندگی کے کسی بھی شعبہ میں بنیادی حقوق اور آزادی فراہم کرتا ہے۔

کشمیر میں خواتین واطفال کے حقوق کی پامالی کی متعدد وجوہات ہیں۔ کشمیر میں اپنے حقوق کی آواز بلند کرنے والوں پر ۱۹۴۷ء سے جبر و ستم کا سلسلہ جاری ہے۔ ۱۹۸۰ء کے اواخر میں انسانی حقوق کی پامالی کا ایک نیا سیاہ باب شروع ہوا جو، اب تک جاری ہے اور اس دوران خواتین سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۰ء سے لے کر اب تک دس ہزار سے زائد کشمیری خواتین درندگی اور عصمت دری کی شکار ہو چکی ہیں، ۲۲ ہزار سے زائد بیوہ ہو چکی ہیں اور ہزاروں خواتین ''نیم بیوہ'' کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہیں جن کے شوہر لا پتہ ہو چکے ہیں اور ابھی تک اُن کے متعلق کوئی معلومات نہیں مل سکی ہیں۔

کشمیر میں عورتوں کی عصمت دری بنا خوف وخطر کی جاتی ہے۔ بعض طاقتوں کے جبر، انتقامی کارروائی اور معاشرے میں بدنامی کے خوف کی وجہ سے بہت سے کیس رپورٹ ہی نہیں ہو پاتے۔ مزید برآں حکومت کی جانب سے کشمیر میں نافذ کردہ سیاہ قوانین کچھ لوگوں کے جرائم کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور اس سے کشمیریوں کے دکھ درد میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ کشمیری خواتین کو معاشرے میں تحفظ اور آزادی میسر نہیں۔ اُن کے شوہروں، بھائیوں اور بیٹیوں کو آنکھوں کے سامنے بے دردی سے قتل کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مردوں کے سامنے اُن کی عورتوں کی جبری عصمت دری کی جاتی ہے۔ یہ ایک نفسیاتی گھاؤ ہے اور کشمیر میں

عورت ہونا ایک جرم بن کر رہ گیا ہے۔ کشمیری عورتیں جنگی جرائم کی شکار ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں ذہنی تناؤ سے متعلقہ مریضوں کی تعداد ۱۰ فیصد تھی جو کہ اب ۴۰ سے ۷۰ فیصد تک پہنچ چکی ہے جس کے نتیجے میں ۱۰۰ میں سے ۷۰ عورتیں نفسیاتی مریضہ بن چکی ہیں۔ بیوہ خواتین اپنے مقتول شوہروں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ یتیموں کو صحت اور تعلیم کی سہولیات میسر نہیں۔ کشمیری خواتین، بچے، بچیاں ہمیشہ سے نشانے پر رہی ہیں۔

کشمیر کے تنازع نے اگر ہزاروں کشمیریوں کی جانیں لی ہیں تو اَن گنت خواتین نے بھی اپنی عزتیں کھوئی ہیں، وادی میں ان خواتین کی چیخیں آج بھی گونج رہی ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال جنوری ۲۰۱۸ء میں ۸ سالہ مسلمان لڑکی (جس کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا) کے ساتھ عصمت دری اور قتل کا واقعہ ہے جس میں سات ہندو (جن میں چار پولیس اہل کار اور ایک مندر کا پجاری بھی شامل تھا) ملوث تھے۔ ملزموں کی گرفتاری کے خلاف بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے دو وزرا کی قیادت میں مظاہرے کیے گئے۔ بالآخر تمام ملزمان رہا ہو گئے۔ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے بھی اس بھیانک جرم کا نوٹس لیا۔ یہ واقعہ ''کٹھوعہ عصمت دری کیس'' کے نام سے مشہور ہے۔

اس واقعے کی طرف بین الاقوامی توجہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ ٹیکنالوجی کی ترقی نے ذرائع ابلاغ کے ذریعے عالمی سطح پر کشمیری عوام بشمول خواتین کے ساتھ ظلم کو اجاگر کیا ہے، لیکن اس کے باوجود اس زیادتی کا مداوا نہیں ہو پا رہا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اقوام عالم میں طاقت ور ممالک انسانی حقوق کی پامالی نہ صرف خود کر رہے ہیں بلکہ بین الاقوامی عدل و انصاف کے اداروں کی بھی آواز دبانے میں مصروف ہیں۔ اس سے صورت حال مزید سنگین ہو گئی ہے جس کی مثال افغانستان میں امریکی افواج کے خلاف جنگی جرائم کی تفتیش پر امریکا کی اقوام متحدہ کی عدالت عدل و انصاف کو دھمکی ہے۔

جب ممالک اپنے ہاں ہونے والے ظلم پر نہ خود کارروائی کریں اور نہ سزا دیں بلکہ بین الاقوامی اداروں کو بھی روک دیں، تو حالات مزید بگڑ جاتے ہیں جیسا کہ کشمیر میں ہو رہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ۱۹۹۰ء کا خصوصی اختیارات تفویض کردہ ایکٹ ہے، جس کی دفعہ ۷ میں حکومت ہند کی پیشگی منظوری کے بغیر سیکورٹی عہدیداروں کے خلاف قانونی کارروائی شروع کرنے پر پابندی ہے۔ اس ایکٹ کے تحت بھارتی افواج اپنے متشدد عمل کے لئے جواب دہ نہیں۔

آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمہ کے بعد کشمیر میں حکومت کی پابندیوں سے باقی طبقات تو متاثر ہو ہی رہے ہیں لیکن خواتین کو اُن پابندیوں سے سب سے زیادہ مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کوئی اپنے اکلوتے بیٹے کی گرفتاری پر دُکھی ہے تو کوئی اپنے شوہر کے انتظار میں دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی ہے۔ کشمیر میں ہزاروں خواتین ایسی ہیں جن کے شوہر زبردستی گھروں سے اغوا کر لیے گئے اور وہ نیم بیواؤں کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہیں۔ مظالم کی شکار کمزور اور بوڑھی مائیں اپنے بیٹوں کی راہ تکنے پر مجبور ہیں۔ کتنی ہی معصوم بچیاں اور خواتین ایسی ہیں جنہیں پیلٹ گن کے چھروں کا نشانہ بنا کر اُن کی آنکھوں کی بینائی چھین لی گئی ہے۔ وقت پر علاج میسر نہ ہونے کے سبب ایک حاملہ خاتون نے مردہ بچے کو جنم دیا تو وہیں ایک خاتون اپنے نومولود بیٹے سے اس کی زندگی کے ابتدائی ۲۰ دن تک نہ مل سکی۔ ایسی کئی دردناک کہانیاں کشمیر میں عام ہیں۔

ایک ماں اسپتال میں موجود اپنے نومولود بیٹے کی صحت کے بارے میں جاننے سے قاصر ہے تو نئی زندگی کا سفر شروع کرنے والی دُلہن اپنے ارمانوں کے مطابق شادی کرنے سے محروم۔ کشمیر میں سینکڑوں ایسی خواتین کی کہانیاں بکھری ہوئی ہیں جن کا دکھ کشمیر میں جاری لاک ڈاؤن کے اندر ہی کہیں دفن ہو چکا ہے۔

امریکی خبر رساں ادارہ 'اے پی' کے مطابق کشمیر میں عائد پابندیوں کے باعث مقامی افراد متعدد مشکلات کے شکار ہیں لیکن کشمیری خواتین ایک ایسے دکھ سے گزر رہی ہیں جسے ابھی تک بیان ہی نہیں کیا گیا۔ یہاں پر ہم چند خواتین واطفال کے دل دہلا دینے والے حادثوں کا تذکرہ کرنا چاہیں گے جنہوں نے میڈیا کے سامنے اپنی زبانی اپنی آپ بیتی سنایا ہے۔

عتیقہ بیگم نامی خاتون سری نگر کی رہائشی ہیں۔ ان کا اکلوتا اور ۲۲ سالہ بیٹا فیصل اسلم میر گھر کا واحد کفیل تھا۔ عتیقہ کے بقول جب کشمیر میں لاک ڈاؤن کا آغاز ہوا تو فیصل دوائیں لے کر گھر واپس آ رہے تھے لیکن انہیں بھارتی سیکیورٹی اہلکاروں نے گرفتار کر لیا۔ عتیقہ بیگم نے کہا کہ ان کے بیٹے کو بھارت کے کسی شہر کی جیل میں منتقل کر دیا گیا ہے اور ان کے پاس وسائل نہیں کہ وہ اپنے بیٹے سے مل سکیں۔

ایک اور کشمیری خاتون مہک پیر، کشتی رانی کی کھلاڑی ہیں۔ ان

کے بقول کشمیر میں جاری پابندیوں اور انٹرنیٹ کی بندش کی وجہ سے وہ کشتی رانی کے سہ ملکی ٹورنامنٹ میں شرکت سے محروم رہ گئی تھی۔ مہک پیر کے بقول انہیں امید تھی کہ وہ کشتی رانی کے بین الاقوامی مقابلوں میں شرکت کریں گی لیکن ملکی ٹورنامنٹ نہ کھیلنے کی وجہ سے اب یہ ممکن نہیں رہا۔

سری نگر کی رہائشی صباحت رسول، ایک ڈاکٹر ہیں۔ انہوں نے ایک حاملہ خاتون کا واقعہ بتایا کہ ان کے اسپتال میں ایک حاملہ خاتون نے صرف اس لئے داخل ہونے سے انکار کردیا کہ مواصلاتی ذرائع بند ہونے کے باعث وہ اس بات کی اطلاع اپنے گھر والوں تک نہیں پہنچا سکتی تھیں۔ صباحت رسول کے بقول اسی خاتون کو اگلے روز ان کے گھر والے بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لائے جہاں خاتون کی جان تو بچ گئی لیکن ان کا بچہ نہیں بچ سکا۔ صباحت رسول کا کہنا تھا کہ خاتون کی صحت کے پیشِ نظر اُنہیں اسی روز اسپتال میں داخل کرنے کی ضرورت تھی جس دن وہ آئی تھیں لیکن خاتون کو یہ ڈر تھا کہ اگر وہ بغیر بتائے اسپتال میں ایک رات رہ گئیں تو اُن کے گھر والے پریشان ہوں گے۔

زاہدہ جہاں گیر سری نگر کے ایک نواحی علاقے لولب میں واقع اپنے گھر کے پاس اپنے دو ماہ کے بچے محمد میاں کو لیے کھڑی تھیں۔ محمد میاں کی پیدائش قبل از وقت ہوئی تھی اس لئے اسے اسپتال میں رکھنا پڑا تھا۔ زاہدہ کو اُس دوران بچے کی زندگی کے ابتدائی ۲۰/دن تک اس سے دور رہنا پڑا۔ ان کا کہنا تھا کہ محمد میاں تو اب صحت مند ہے لیکن ان ۲۰ دنوں کے دوران انہیں جو دکھ سہنا پڑا وہ کوئی ماں ہی سمجھ سکتی ہے۔ اس کا افسوس انہیں زندگی بھر رہے گا۔

کلثوم رمیز کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے۔ ان کی شادی ایسے وقت میں ہوئی جب کشمیر میں لاک ڈاؤن جاری تھا جس کے باعث وہ اپنی شادی کا جوڑا بھی نہیں خرید سکیں جو ہر لڑکی کا ارمان ہوتا ہے۔ کلثوم کو کسی سے ادھار لیا گیا جوڑا پہننا پڑا اور ان کی شادی میں کچھ پڑوسی اور چند رشتے دار ہی شرکت کر سکے۔ سڑکیں بند ہونے کی وجہ سے انہیں رخصتی کے بعد پیدل سسرال جانا پڑا۔

سمیرا بلال کے شوہر بلال احمد کو بھارتی سیکورٹی فورسز نے ۵ اگست کی رات گرفتار کیا تھا۔ ان کی دو سالہ بیٹی اکثر کھڑکی کی طرف اشارے کرکے اپنے والد کو پکارتی ہے کہ "بابا بابا آپ کب واپس آئیں گے؟"

یہ چند دل دہلانے والے واقعات وہ ہیں جن کی خبر بعض ذرائع سے ہم تک پہنچ سکی ہے ورنہ کشمیری مظلوم بہنوں کی پُر درد داستان بہت طویل ہے مگر افسوس کہ عالمی برادری کے لئے کشمیری عورت ایک بھولا بسرا باب ہے۔ جب دنیا کے کسی دوسرے ملک میں عورت پر جنسی تشدد ہو تو عالمی برادری کا ضمیر متحرک ہو جاتا ہے اور ردِ عمل دیتا ہے مگر جب کشمیری عورت پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں تو دنیا کا ضمیر خاموش رہتا ہے کیوں کہ مادیت اور ذاتی مفادات کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہاں پر یہ اصول لاگو ہو رہا ہے کہ جتنا بڑا ملک ہو اتنا ہی اُس کا اثر ورسوخ زیادہ ہوتا ہے اور اسے اتنی ہی زیادہ چھوٹ ملتی ہے۔ انصاف سب کے لئے ایک ہونا چاہیے اور سول سوسائٹی کی طرف سے دنیا میں اثر ورسوخ رکھنے والے دارالحکومتوں کو یہ پیغام دیا جانا چاہیے۔ عورت پر تشدد درحقیقت انسانیت کے خلاف جرم ہے اور اس ضمن میں دنیا بھر میں انسانی حقوق کے وکلاء کو آگے بڑھنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کہاں کہاں جبر اور مظالم حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔

کشمیر میں ایک بڑا مسئلہ معلومات تک آزادانہ رسائی نہ ہونا بھی ہے کیوں کہ آزاد میڈیا کو زمینی حقائق تک رسائی نہیں جس کی وجہ سے عورتوں اور بچوں پر ہونے والے مظالم میڈیا میں نہیں آپاتے۔ کشمیر میں عالمی اداروں کی عدم موجودگی عورت کو جنسی اور جسمانی تشدد کا آسان شکار بنا دیتی ہے۔ مظلوم مستقل خوف میں زندگی گزارتے ہیں اور ظالم کی کوئی پکڑ نہیں ہوتی۔ مائی لائی کے قتل عام کے نمایاں ہونے کی وجہ سے ویتنام کی تاریخ بدل گئی اور اس کا سہرا میڈیا کے سر جاتا ہے۔ بوسنیا کی عورتوں پر مظالم اور ان کی لٹکتی نعشوں کی کہانی کا سامنے آنا وہاں کے لئے سنگ میل بن گئی۔ ایک نوجوان فلسطینی لڑکے کے بہیمانہ قتل کی خبر دنیا بھر میں شہ سرخی کے طور پر آئی اور اسکی وجہ سے دنیا بھر میں فلسطینیوں کی حمایت میں بہت اضافہ ہوا۔ کشمیریوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی داستانوں کا میڈیا میں آنا ضروری ہے تاکہ دنیا کے مختلف حصوں میں اس کے متعلق آگاہی ہو سکے۔ میڈیا کو اُن بے آواز مظلوموں کی آواز بننا چاہیے اور عورتوں کے حالات اور مسئلہ کشمیر کے حل کیلئے اُن کی جدوجہد کو اُجاگر کرنا چاہئے اور کشمیری عورتوں کی کہانیوں کو شائع کرنا چاہیے۔ کشمیری عورتوں پر ڈھائے گئے مظالم کی داستانوں کو سوشل میڈیا کے ذریعے اُجاگر کر کے مسئلہ کشمیر کے متعلق آگاہی پیدا کی جانی چاہیے۔

☆☆☆

۲۰ جنوری ۲۰۲۱ء۔ 9955547488

فکر امروز

نئی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ء۔ اندیشے اور مواقع

عبدالکریم خاں مصباحی★

حکومت کے ذریعہ پیش کردہ تعلیمی پالیسی اس طرح ہے:

اسکولی تعلیم میں، دسویں اور بارہویں بورڈ کی اہمیت کم ہوگی یعنی اب دس (۱۰) اور بارہ (۱۲) کی جگہ ۴+ ۳+ ۳+ ۵ یہ فارمیٹ رائج ہوگا۔ اب اسکولوں میں آرٹس، سائنس اور کامرس جیسے موضوعات پر اضافی محنت یا ترغیب کا سسٹم نہیں ہوگا۔ طلبا اپنی مرضی کے مطابق موضوعات پڑھنے میں آزاد ہوں گے۔ قدیم نظام تعلیم کے مطابق طلبا وطالبات چھ سال کی عمر میں اسکول میں داخلہ لینے کے مجاز تھے۔ اب چار سال کی عمر ہی سے پانچ سالہ کورس میں داخلہ لینے کے مستحق ہوں گے مگر شروعات کے تین سال تک پڑھنے کی بجائے بچوں کی طبیعت کے مطابق کھیل کود کا کام ہوگا۔ آخر کے دو سال میں کلاس ۱+ ۲ پاس کریں گے۔

اسکول میں پانچویں تک کی تعلیم کی ہدایت کار زبان صرف اور صرف مقامی و مادری زبان ہوگی۔ انگریزی زبان کو اہمیت حاصل نہ ہوگی اور بنیادی طور پر ہندوستان کے تعلیمی نظام میں اب ہندی اور سنسکرت زبان کو اہمیت دی جائے گی۔ اب انڈر گریجویشن پروگرام تین سے چار سال میں ہوگا۔ اب M.Phil نہیں ہوگا بلکہ ماسٹر کے بعد پی، ایچ، ڈی میں داخلہ دیا جائے گا۔ سر دست مختلف یونیورسیٹیز اور اعلیٰ تعلیمی نظام سنبھالنے اور انہیں کنٹرول کرنے کے لئے کئی منتظمہ ہیں جیسے AITCE,UGC لیکن اب ان سب کا انتظامی کنٹرول ایک ہی ہوگا سوائے میڈیکل اور قانونی شعبوں کے اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کے بھی تین حصے ہوں گے (۱) ریسرچ یونیورسیٹی (۲) ٹیچنگ یونیورسیٹی (۳) ڈگری کالج۔

نئی تعلیمی پالیسی کا ھدف: گورنمنٹ آف انڈیا کے ذریعہ پیش کردہ جدید تعلیمی پالیسی کا ہدف یہ ہے کہ سن ۲۰۳۵ء تک ۵۰ فیصد لوگ زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوں گے یعنی ہندوستان کا ہر دوسرا آدمی تعلیم یافتہ ہوگا۔ ایجوکیشن سسٹم کا لیول ۵۰ فیصد بلند ہوگا، اس طرح تعلیمی معیار کافی بلند اور دنیا کے دوسرے مملک کے بالمقابل انتہائی قابل ستائش ہوگا۔

نئی تعلیمی پالیسی کے فوائد: آخرت سے غافل دنیاداروں کی یہ ریت رہی ہے کہ جب وہ اپنے دشمن اور مخالف کو ہلاک کرنے کے ناپاک عزائم سے مغلوب ہوتے ہیں تو سب سے پہلے اسے جھانسے اور مغالطے میں ڈال کر، یارانے اور دوستانے کا جال بچھا کر دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں اور جب اس کے دل میں جل رہی نفرتوں کی شمع الفت ومحبت کے چراغ میں مدغم ہوجاتی ہے اور وہ خوش فہمی کا شکار ہوکر صمیم قلب سے اسے اپنا جگری دوست تصور کرنے لگتا ہے تو اب دشمن بڑی آسانی سے دام تزویر بچھا کر اُس کی ہلاکت کے ذریعہ اپنے مقصد انتقام میں کامیاب ہوجاتا ہے اور لوگوں میں اپنا جگری دوست کھونے اور اس کی فرقت کے غم میں مرجانے کا رونا روتا ہوا نظر آتا ہے اور قتل کے الزامات اور لوگوں کی ملامتوں سے خود کو محفوظ کرلیتا ہے۔ اسی طرح جب کسی کو زہر ہلاہل دینا ہوتا ہے تو ڈائرکٹ زہر کی پڑیا اُس کے حلق میں ڈالنے یا ہاتھ میں دے کر کھانے پر مجبور نہیں کرتے بلکہ اشیائے شیریں میں اس کی آمیزش کر کے ضیافت کے بہانے اسے کھلا دیتے ہیں اور اپنا انتقامی فعل کر گزرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

ٹھیک اسی طرح موجودہ حکومت کے ذریعہ پیش کردہ نئی تعلیمی پالیسی کے ۶۴ صفحات پر مشتمل اصول وقوانین اپنے دامن میں چند خوشنما احساسات اور مثبت پہلوؤں میں ''زہر ہلاہل لیے ہوئے'' ہیں جن کو پڑھنے سے جہاں کچھ خوش آئند اقدام کا سبز باغ نظر آتا ہے وہیں اقلیتوں بالخصوص مسلم، دلت اور غریب وکمزور سماج کے مستقبل کو تیرہ وتاریک بنانے والی وادیوں کے دروازے کھلتے نظر آتے ہیں۔ حکومت کی نئی تعلیم پالیسی میں چند خوش کن پہلو جن کی تشہیر کر کے نقصان دہ پہلوؤں سے لوگوں کا ذہن بھٹکایا جارہا ہے، مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قدیم تعلیمی نظام کے مطابق اپنے عمر کے پانچ سال مکمل کرنے کے بعد بچیاں اور بچے اسکول میں داخلے کے مجاز تھے چھٹے سال کے شروع ہوتے ہی ان کے کندھوں پر تعلیم کا بوجھ ڈال دیا جاتا تھا۔ اس

سے قبل ان کے اوقات کھیل کود میں صرف ہوتے ،اب اچانک تعلیم کا بوجھ ان کے سر پر آپڑنے کی وجہ سے کافی طلبہ اسکول وکالج جانے کو وبال جان سمجھتے ،اس لئے اور والدین کو روزانہ انہیں اسکول وکالج بھیجنے کے لئے انتہائی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ایک دن ایسا آتا کہ وہ تھک ہار کر جدوجہد کرنا بند کر دیتے اور بچوں کا تعلیمی سفر وہیں سے ختم ہو جاتا تھا لیکن اب نئے نظام تعلیم کے مطابق بچے چار سال کی عمر ہی سے اسکول کے پانچ سالہ کورس میں داخلہ کے مجاز ہوں گے ہاں شروعاتی تین سال تک پڑھنے کی بجائے گھریلو کھیل کود میں وقت صرف کریں گے کھیل کود کی لالچ میں بڑے شوق سے اسکول وکالج جانے کے عادی ہو جائیں گے پھر آخر کے دو سال میں تدریجا کھیل کے ساتھ پڑھنے کا شوق ان میں پیدا کیا جائے گا اور وہ کھیل کود کے مرحلے سے گزر کر بآسانی تعلیمی میدان میں داخل ہو جائیں گے جس کا انہیں احساس بھی نہ ہوگا۔ایسی صورت میں ابتدائی زندگی میں پڑھنے کے خوف سے بھاگنے والے طلبا وطالبات کی تعداد میں حددرجہ کمی آئے گی اس طرح کا ماننا ہے بہت سے اکسپرٹ اور ماہرین تعلیم حضرات کا۔اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

(۲) دوسرا خوش آئند قدم جس کی بہت سے ماہرین تعلیم و پروفیسر حضرات نے سراہنا کی ہے یہ ہے کہ درجہ پانچ تک کی اسکولی تعلیم جہاں اسکول وکالج واقع ہوں گے وہاں کی علاقائی و مادری زبان میں ہوگی چونکہ مادری وعلاقائی زبان سے بچے کی وابستگی اور دلچسپی زیادہ ہوتی ہے اس لئے انہیں آشنا زبان میں تعلیم ان کے لگن ودلچسپی کو باقی رکھتے ہوئے ان کے حق میں کافی مفید ہوگی اور درسی کتب کے اسباق سمجھنے اور اُسے محفوظ رکھنے میں پچاس فیصد سے زیادہ اس پر اُن کا کنٹرول ہوگا۔

اس کے برعکس غیر مانوس، نا آشنا زبانوں میں مبتدی طلبا کو تعلیم دینا اُن کے شوق ولگن کو پژمردہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسباق کے صحیح مفاہیم کی تفہیم سے صرف نظر اُنہیں رٹنے کا عادی بنانا ہے جس کے پیش نظر آگے چل کر اُن کا مادہ تفہیم جواب دے چکا ہوتا ہے۔

(۳) اب اعلیٰ تعلیم کے اِس پہلو پر ذرا نظر ڈالتے ہیں جس کی شوشل میڈیا اور چینلوں پر خوب واہ واہی کے پل باندھے جا رہے ہیں اپنے جمہوریت پسند اور سیکولرزم ہونے کو آڑ بنا کر اُن اقدامات کی حمایت میں چینلوں پر ڈیبیٹ کی جا رہی ہیں وہ خوش کن پہلو، یہ ہے کہ اب ایم ،اے چار سال کا ہوگا چونکہ پچھلے نظام ونصاب کے مطابق اسٹوڈنس کو اپنے تعلیمی سفر کے تین سال مکمل کرنے پر ڈگری یعنی سند فراہم کی جاتی اور درمیان میں تعلیمی تسلسل موقوف کرنے والے طلبا کو اَن کمپلیٹیڈ کورس بتا کر ڈگری (سند) سے محروم رکھا جاتا تھا اور نہ ہی ایک آدھ سال کا گیپ (فاصلہ) کرنے والے طلبا کو وہیں سے اپنا تعلیمی سفر جاری رکھنے کا اختیار حاصل تھا مگر اب نئی تعلیمی پالیسی کے مطابق طلبا جتنے سال کی پڑھائی مکمل کریں گے انہیں اتنے سال کی ڈگری فراہم کردی جائے گی۔کسی مجبوری ودشواری کے سبب درمیانِ کورس میں تعلیمی تسلسل موقوف کرنے والے طلبا کو یہ اختیار بھی حاصل ہوگا کہ جہاں انہوں نے تعلیم موقوف کیا تھا وہیں سے آگے کا سفر جاری کریں۔اس سے ان کے سال کی بربادی نہ ہوگی مگر یہ آنے والا وقت ہی فیصلہ کرے گا کہ یہ خوش آئند پہلو کتنا کارآمد ہوگا یا خسارے کا سبب بنے گا۔

(۴) ایک چوتھا خوشنما پہلو جس کا خوب ذکر خیر کر کے عوام کو خوش فہمی کا شکار بنایا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ اب تک تعلیم (ایجوکیشن) ملک کی جی،ڈی،پی، کا صرف تین فیصد حصہ خرچ کیا جاتا رہا ہے مگر اب جدید تعلیمی نظام ونصاب کے مطابق حکومت اسرائیل ودیگر مغربی ممالک کا مقابلہ کرتے ہوئے جی،ڈی،پی، کا چھ فیصد حصہ تعلیم پر صرف کرنے کی بات کر رہی ہے۔اس سے قیاس یہ لگایا جا رہا ہے کہ جب جی،ڈی، پی، کا تین فیصد حصہ خرچ کرنے پر تعلیمی معیار کی بلندی ۲۵+۲۸ فیصد تھی تو اب چھ فیصد خرچ پر تعلیمی معیار ۵۰ فیصد بلندی پر فائز ہوگا۔

یقیناً یہ بڑا لائق ستائش پہلو ہے جو تعلیمی سمندر میں اتھل پتھل کر کے ایک انقلابی کردار ادا کرسکتا ہے مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو ایک قانونی اور حتمی شکل دی جائے صرف زبان اور کاغذاتی دعوے سے کام نہ لیا جائے جیسا کہ اب تک ہماری حکومت نے بہت سے جھوٹے اور کھوکھلے دعوے کر کے صرف باشندگان ہند کو بے وقوف بنانے اور سبز باغ دکھانے کا کام کیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دعویٰ بھی خواب ہی خواب رہ جائے اور شرمندۂ تعبیر نہ ہو پائے۔

(۵) ۵۴ صفحات پر مشتمل نئی تعلیمی پالیسی کے مسودے میں ایک قابل ذکر گوشہ،جس کا بڑے ہی جوش وخروش کے ساتھ پرچار کیا جا رہا ہے، اس کے ذریعہ ملکی تعلیمی تعمیری وترقی کا بگل بجایا جا رہا ہے، یہ ہے کہ دنیا کی سب سے ٹاپ پچاس یونیورسیٹیز کو ہندوستان کے طول وعرض میں شاخیں کھولنے کی درخواست کر کے زمینیں اور دیگر سہولیات فراہم کی جائیں گی

تا کہ اُن یونیورسیٹیز میں اعلیٰ تعلیم کا خواب دیکھنے والے طلبا کو اس سلسلے میں آنے والی تمام دشواریوں کا سامنا کیے بغیر اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کیے جا سکیں اس سے غریب طلبا کے اندر بھی اعلیٰ تعلیم کے عزائم پیدا ہوں گے اور انہیں بھی اپنا خواب شرمندۂ تعبیر بنانے کے مواقع حاصل ہوں گے۔

اس طرح تعلیمی ومعاشی نقطہ نظر سے بھی ملک وملت کا بڑا فائدہ ہوگا اور نوجوان نسلوں میں تعلیم یافتہ وہنرمند افراد کی تعداد میں ایک خاصہ اضافہ بھی ہوگا۔(ماخوذ از پریس کانفرنس بذریعہ منیش سسودیا)

نئی تعلیمی پالیسی میں اندیشے کے پہلو:

اس میں دو رائے نہیں کہ نوجوان نسلیں اپنی قوم، سماج اور ملک و ملت کی تعمیر وترقی اور فلاح وبہبود اور کسی طرح کا بھی انقلاب لانے اور ملکی تنزلی میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں کسی بھی مملکت کی روشن و تاریک مستقبل لکھنے میں بھی ان کا اہم رول ہوتا ہے مگر ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ان کے افکار ونظریات کی تجدیدی عمل کے چیلنج سے ہم آہنگ ہونے کے لئے ذہن سازی کی جائے کیونکہ انسان کے ہاتھ میں انقلابی تلوار پکڑانے سے زیادہ اہم ان کے ذہن وفکر میں انقلابی روح پھونک کر انہیں اپنا ہم خیال بنالینا ہے۔ان کی ذہن سازی اور ہم خیال بنانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اپنے ہدف کو پالینے اور انقلابی ہوا کا رخ موڑنے کے لئے انہیں بار بار برانگیختہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ٹھیک اسی طرح آر ایس ایس کی سوچ وطبیعت سے متاثر ہماری موجودہ گورنمنٹ نے نئی تعلیمی پالیسی میں ہندی اور سنسکرت کو سب سے زیادہ ترجیحی زبان قرار دے کر ایک بہت موثر اور زود اثر گیم (کھیل) کھیلنے کا کام کیا ہے۔اسی طرح ہندی وسنسکرت کی آڑ میں منوسمرتی اور انگریزی پالیسی کے بے شمار فوائد بتا کر بھی طلبا کی ذہن سازی کرے گی۔سلیبس (نصاب) کی شکل میں جمہوریت اور سیکولرزم کے نقصانات کا سبق پڑھا کر دوسری قوموں کی تہذیب وتمدن سے متنفر کر کے اپنی اقدار وروایات سے الفت ومحبت کے بہانے طلبا پر ہندتو ارنگ چڑھانے کا تماشہ کرے گی اور جب نوجوان نسلوں میں پنپ رہی انقلابی روح کا دم گھٹ کر اُن کے افکار ونظریات آر ایس ایس کے افکار و نظریات سے ہم آہنگ ہو جائیں گے تو ایک بڑے طبقے کی حمایت میں بڑی آسانی سے چھوٹے طبقوں کو مغلوب کر کے اپنے سو سالہ منصوبے کا جال بچھا کر دوبارہ باشندگان ہند کے ہاتھوں اور پیروں میں غلامی کی زنجیر پہنا دے گی اور ایک بار پھر آزادی ہند میں آباواجداد کے بہے ہوئے خون رائگاں ہوکر ملک غلامی کی صعوبتوں سے دوچار ہوگا۔

ہاں منوسمرتی کے اصول وضوابط کے نفاذ اور دوبارہ انگریزی تسلط کے قیام میں کوئی دشواری آتی ہے تو اُن کی سو سالہ تیاریاں ان دشواریوں کا خاتمہ کرنے اور منشا کے حصول میں رکاوٹ بننے والے افراد کا گلا گھوٹنے کے لئے کافی ہوں گی۔

(۲) نئی تعلیمی پالیسی میں دوسرا نقصان کا پہلو یہ ہے کہ نصاب بنانے کا اختیار صرف اور صرف مرکزی حکومت کو ہوگا۔لوگ پہلے سے اس بات کو لے کر تشویش کا شکار ہیں کہ مرکزی حکومت نے پالیسی میکنگ اور قانون سازی میں برہمن واد ذہنیت کے حامل اشخاص کی شمولیت کے ذریعہ ساری قوم ونسل کے ماہرین تعلیم اور علم دوست افراد کو نظرانداز کر کے جمہوریت اور سیکولرزم کا گلا گھوٹنے کا کام کیا ہے اس لئے کہ اگر حکومت کی نیتوں میں فتور نہ ہوتا تو حکومت ضرور ملک کے مختلف مذہب و ملت اور قوم ونسل سے متعلق ماہرین تعلیم حضرات کو تعلیمی پالیسی کابینہ میں شامل کر کے اپنی نیک نیتی اور سیکولرزم کا ثبوت فراہم کرتی نیز پچھلے چھ سالوں سے خفیہ طور پر عوام کی نظروں سے چھپا کر صرف چند آر ایس، ایس کے لائق اعتماد لوگوں کے ذریعہ اس کی تیاریاں نہ کراتی اور اس تعلیمی نظام ونصاب کے پردے میں نوجوان نسلوں کی تعمیر وترقی اور ملک کی خوشحالی کا ڈھنڈھورانہ پیٹتی۔

(۳) مذکورہ تعلیمی پالیسی میں اداروں کو خودمختار بنانے کا فیصلہ ہے"خودمختار" لفظ کو آپ "من مانی" پڑھیں گے تو اس کا دوسرا مطلب سمجھ میں آجائے گا۔اعلیٰ تعلیمی میں جتنا چاہو پڑھو پھر آزادانہ نکل جاؤ، یہ درحقیقت غیر مستطیع طلبا کے ساتھ کھلواڑ ہوگا یعنی جو کورس مکمل کرنے میں خود کفیل نہیں ہوں گے اُنھیں ادھوری پڑھائی کا سرٹیفکیٹ دے دیا جائے گا۔باقی سرکاری اسکیم کی کوئی امید نہ رکھے۔

(۴) ہر انسٹی ٹیوٹ B.O.G کے ماتحت ہوگا یعنی بورڈ آف گورنر ہی اب مالیات فراہم کرے گا۔تقرری میں بھی اسی کا عمل داخل ہوگا یعنی مرضی کے مطابق اپنے افکار ونظریات سے ہم آہنگ لوگوں کو ترجیح دی جائے گی تا کہ حکومت کی ظلم وزیادتی کے خلاف لوگوں کو آواز بلند کرنے کی جرات نہ ہو سکے۔مطلب یہ ہے کہ انسٹیٹیوٹ میں رہتے ہوئے حکومت کے خلاف بولنے پر آپ کبھی بھی نکالے جا سکتے ہیں، آپ کی

نوکری جاسکتی ہے اور ترقی بھی روکی جاسکتی ہے۔

(۵) دانشورانِ ملک وملت سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ پچھلے چھ سالوں سے موجودہ حکومت کے ذریعہ سرکاری جائدادوں کو نجی ہاتھوں میں دے کر پرائیویٹ بنانے کا کھیل بہت عروج پر ہے بھاجپائی حکومت نے تاریخی عمارات، مقامات، سڑکیں، ریلوے اسٹیشن، متعدد محکموں اور شعبوں کو اپنے مالدار اور اہل ثروت احباب کے ہاتھوں فروخت کرنے کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اسی طرح نئی تعلیمی پالیسی میں تعلیمی سسٹم کو پرائیویٹ ہاتھوں میں فروخت کر کے تعلیم کو بے حد مہنگا اور محدود بنایا جا رہا ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی جس کا دعویٰ ۲۰۳۵ء تک اعلیٰ تعلیم کا وسیع پیمانے پر فروغ ہے وہ درحقیقت ۲۰۳۵ء آنے تک غریبوں، پچھڑوں اور کمزور طبقات کے لئے اعلیٰ تعلیم کے حصول کو ناممکن بنانے کا راستہ ہے۔

(۶) مذکورہ پالیسی میں بورڈ آف گورنر ہی تنخواہوں کی تقسیم اور پروموشن وغیرہ کا ذمہ دار ہوگا۔ مطلب اب مالیاتی فراہمی سے مرکزی حکومت نے ہاتھ اٹھا لیے ہیں اور گورنمنٹ کی جدید تعلیمی پالیسی میں یہ بھی واضح کرنے کی کوشش ہے کہ پرائیویٹ اور پبلک اداروں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ سبھی اداروں کا ایک منتظم ہوگا۔ کچھ مراحل وضوابط، پھر جو حکومت کا پسندیدہ ادارہ ہوگا اُسے بورڈ آف گورنر کے ذریعہ فنڈنگ کرائی جائے گی۔ راشٹریہ شکشا آیوگ نیشنل ریسرچ فاؤنڈیشن جیسے ادارے بنا کر تعلیمی انتظام وانصرام کا کنٹرول چند ہاتھوں میں سمیٹا جا رہا ہے تعلیمی اصول وقوانین کے نفاذ میں ریاستی اختیارات کو چھینا جا رہا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ
راشٹریہ شکشا آیوگ کے سربراہ وزیر اعظم ہوں گے یعنی کہ اب نریندر مودی جی قومی تعلیمی کمیشن کی قیادت ورہنمائی کریں گے۔

(۷) جدید تعلیمی پالیسی سے ایک زوردار طمانچہ اسکول وکالج کے موجودہ تیس لاکھ اساتذہ کے منہ پر بھی ہوگا کہ نظام ونصاب کی تبدیلی سے ان کے پڑھانے کی پرانی تھیوریاں اب بیکار ثابت ہوں گی اور بڑی تیزی سے ٹیچنگ کی نئی تھیوریوں پر کنٹرول نہ کر پانے کی وجہ سے معطلی کا شکار ہوں گے اور نئی تعلیمی پالیسی کی ہنگامہ آرائیوں سے دوچار ہو کر ذہنی توازن کے فساد کا شکار ہوں گے۔ اس طرح یہ مذکورہ پالیسی پرانے اساتذہ کو مفلوج بنا کر اُن کی تباہ وبربادی کا ایک پیش خیمہ ہوگی۔ یہ پالیسی اس وقت تک کارگر ثابت نہیں ہوگی جب تک پرانے اساتذہ کو ٹریننگ کے ذریعہ اس پالیسی کو آگے بڑھانے کا اہل نہ بنایا جائے اس لئے کہ مذکورہ پالیسی پر کھرے اترنے والے اساتذہ تو آنے والے چند سالوں میں تیار ہوں گے۔ اس سے قبل اگر پرانے اساتذہ کو درمیانی اوقات میں آنے والی تعلیمی مشکلات سے نمٹنے کا خود کفیل نہ بنایا گیا تو ایک اچھی پالیسی تباہ وبربادی کی نذر ہو جائے گی جس کی تلافی وتدارک ناممکن ہوگا۔ مذکورہ پالیسی بھی یہ اشارہ کر رہی ہے کہ سرکاری اسکولوں کو نظر انداز کر کے پرائیویٹ اسکولوں کو بڑھاوا دیا جائے گا۔ اس سے خسارہ یہ ہوگا کہ پرائیویت اسکولوں کی حالت اچھی ہو کر ان کی تعلیم مہنگی ہو جائے گی جس کی فیس بھرنے کی طاقت صرف اہل ثروت اور مالدار حضرات کے بس میں ہوگا۔ غریب اور کمزور افراد فیس بھرنے کی طاقت نہ رکھنے اور اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم نہ ہونے کی وجہ سے اپنے بچوں کو خستہ حال سرکاری اسکولوں میں نااہل اساتذہ کے پاس بھیجنے پر مجبور ہوں گے اس سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا اُن کا خواب چکنا چور ہو جائے گا اور امیر غریب سب کے لئے یکساں تعلیم کا دعویٰ بھی کھوکھلا رہ جائے گا۔

(۸) ہندوستان میں دنیا کی موسٹ ٹاپ پچاس یونیورسٹیز کی شاخیں کھولنے کے پیچھے ایک بڑی سازش پوشیدہ ہے اس لئے کہ جب ہم موسٹ ٹاپ پچاس یونیورسٹیز کی فہرست دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس قید کے تحت آنے والی ساری یونیورسٹیز یا تو مغربی ممالک کے زیر اثر چل رہی ہیں یا یہود ونصاریٰ کے اقدار وروایات اور برطانوی تہذیب وثقافت کا لبادہ اوڑھ کر برسر پیکار ہیں۔ اس کے برخلاف ۵۴ اسلامی ممالک کی ساری یونیورسٹیز مذکورہ شرائط سے خالی وعاری ہیں۔ اس تناظر میں جو بھی یونیورسٹی اپنی شاخ کھولے گی تو اُس کے اپنے اصول وقوانین اور شرائط ہوں گے اور ہر قانون ساز و پالیسی میکر اپنے مذہب، اقدار وروایات اور تہذیب وتمدن سے مغلوب وسرشار ہو کر ہی قانون مرتب کرتا ہے۔ ایسی صورت میں آنے والی یونیورسٹیز اپنا مذہبی کلچر اور ثقافتی رنگ لے کر سرزمین ہند میں ورود کریں گی اور تعلیم کے بہانے نوجوان نسلوں میں مذہبی روایات کا بیج بو کر مغربی تہذیب وتمدن کو عام کر کے ایسی سرزمین میں انتشار وافتراق کے اسباب پیدا کریں گی جہاں ایک عرصہ دراز سے مختلف قومیں اور سیکڑوں رنگ ونسل کے لوگ اپنی مذہبی آزادی، کلچر، تہذیب وثقافت، مذہبی تشخص اور روایتی شناخت کی بقا کے ساتھ قومی یکجہتی کا نمونہ بن کر شاداں وفرحاں اپنی زندگیاں

گزار رہے ہیں اس سے آپسی اتحاد و بھائی چارگی، قدیم ہندوستانی روایات، جمہوری اصولوں کی پاسداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا خاتمہ ہوجائے گا پھر پورے طور پر یہود ونصاری کو اپنے افکار ونظریات کی ترویج واشاعت کے لئے اپنے پاؤں پسارنے کا موقع فراہم ہوگا اور برطانوی سامراج کو مملکت ہند پر دوبارہ ورود کے لئے ایک بڑی زمین ہموار ہوگی۔

اس طرح یہ، یونیورسٹیز اور تعلیمی پردے میں انگریزوں کے لئے قیام حاکمیت واقتدار ایک بہت ہی موثر اور کارگر پیش رفت ہے جس کو انتہائی تدبر اور دوراندیشی کے ساتھ عملی جامہ پہنا گیا ہے۔

نئی تعلیمی پالیسی میں آر ایس ایس کا کردار:

جدید تعلیمی نظام پر آر ایس ایس سے منسلک بال مکندر نے انڈین ایکسپریس سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ، نئی تعلیمی پالیسی میں ہمارے ۸۰ فیصد سے زائد مطالبات منظور کیے گئے ہیں اور ہم نئی تعلیمی پالیسی سے خوش ہیں۔HRD کا نام تبدیل کرکے ایجوکیشن منسٹری کرنے کا مطالبہ بھی آر ایس ایس کا تھا جسے وزارت نے منظوری دے دی ہے۔ یہ جو نیا نظام تعلیم ملک میں نافذ ہونے جارہا ہے اس کے بہت سارے پہلو ہیں بعض لوگ اس میں سے قابل تائید نکات کو لے کر اڑتے پھریں گے لیکن یہ یاد رکھنا اہم ہوگا کہ ایک نسل پرست بالا دست عزائم کی حامل دہشت گرد تنظیم آر ایس ایس کا اِس نئے نظام کو لانے میں بڑا اہم رول ہے۔ دوسری طرف زبان ومراحل میں لایا گیا بدلاؤ صاف طور پر آنے والے دنوں میں اسکولی نصاب میں ہندوانہ آمیزش کو یقینی بناتا ہے۔ پرائیویٹ اور سرکاری درجہ بندی کو ختم کرنے کا سیدھا مطلب ہے کہ وہ اپنے مخالف نظریات کے تمام اسکولوں میں گھس پیٹھ بھی کریں گے۔ اپنی مرضی کے مطابق پڑھائی کروانا مشکل بنایا جائے گا، اعلیٰ تعلیم اتنی مہنگی کردی جائے گی کہ درمیان میں ہی سلسلہ منقطع کرنا پڑے گا۔ اعلیٰ ذاتوں کے لئے گنجائشیں اور غریبوں کے لئے دروازے بند ہوتے جائیں گے۔

یہاں ایک خاص بات قارئین ملاحظہ کریں کہ

یورپ یعنی مغربی ممالک اور اسی طرح روس سے متاثر دانشوروں، پروفیسروں اور ڈاکٹروں کے طبقے کو اِس تعلیمی نظام ونصاب سے کچھ خاص دِقت نہ ہوگی کیونکہ اسے کچھ اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ زہر سریع الاثر نہیں، بتدریج اثر کرے گا اور مغرب زدہ لوگوں کے لئے اس میں تزئین کاری اور خوش نمائی رکھی گئی ہے ان کی نفسیات کے مطابق ،لیکن بھارت کے دلتوں، پچھڑوں، آدی واسیوں اور مسلمانوں کے لئے یہ تعلیمی نظام ہر لحاظ سے ایک نئی غلامی کی طرف لے جانے کا اشارہ ہے۔ یہ تعلیمی نظام برہمن واد، سرمایہ داریت اور تعلیمی تجارت کو یقینی بناتا ہے اس کے لئے آنے والا نصاب ہندواحیا پرستی کو بچوں کے دلوں میں ہموار کرے گا قوت وفن کو چند ہاتھوں میں قید کرے گا۔ صلاحیت اور قابلیت کی جگہ مالداری اور سرمایہ داری کی بنیاد پر اعلیٰ تعلیم حاصل کی جائے گی۔ نیا تعلیمی نظام، تعلیم کو بازار میں نیلام کرنے والا ہے۔ تعلیم کی کالا بازاری اور اس کے ذریعہ بھرپور کمائی کا منصوبہ ہے۔

یہ جان لینا بھی اہم ہوگا کہ، دہلی یونیورسٹی کے ٹیچر ایسوسی ایشن اور دیگر حساس اور ملکی و تعلیمی خیر خواہی رکھنے والی تنظیموں نے مذکورہ پالیسی کی شدید مخالفت کی ہے اور اس تعلیمی نظام کو کارپوریٹ گھرانے کے حوالے کرنا قرار دیا ہے اور حکومت کو متنبہ کیا ہے کہ وہ اس حرکت سے باز آجائے۔

ہندوستان پر برطانوی تسلط سے قبل اور دور حاضر کے نظام تعلیم کے درمیان موازنہ:

کسی بھی ملک پر قیامِ تسلط کے لئے صرف دو طاقتوں پر کنٹرول درکار رہتا ہے ایک نظامِ تعلیم کی طاقت یعنی پورے تعلیمی سسٹم پر اپنی پکڑ مضبوط بنا لینا، اس لئے کہ تعلیم کی بہانے نوجوان نسلوں میں اپنی فکر و سوچ سے ہم آہنگ ان کی ذہن سازی کے ذریعہ اپنے عزائم کو بروئے کار لانے کے لئے ایک بڑی جماعت تیار ہوجاتی ہے جس سے اقتدار کے قیام واستمرار میں ایک بڑی طاقت بحیثیتِ معاون ومددگار شانہ بشانہ رہتی ہے اور ان عزائم کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کو بروقت دبانے اور انہیں ٹھکانے لگانے کے لئے کفایت کرتی ہے۔ دوسری فوجی طاقت، ان دونوں طاقتوں کے ذریعہ بآسانی کبھی بھی کسی بھی ملک کے کرسیِ اقتدار کا تختہ پلٹا جاسکتا ہے اسی لئے ہندوستان کو غلام بنانے سے قبل بغرض تجارت ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے بعد برطانوی حکومت نے ان ہی دونوں طاقتوں پر قابو پانے کے لئے اسکول وکالج کا قیام وسیع پیمانے پر کیا تھا۔ کمپنی کی حفاظت کے نام پر نوکروں کے فوجی مشق کا بڑے پیمانے پر بندوبست بھی کیا تھا۔ اس طرح اسکول وکالج میں تعلیم کے نام پر طلبا کی ذہن سازی اور فوجی مشق کے ذریعہ دونوں طاقتوں کو یکجا کرکے

اپنی خود مختاری کا اعلان تھا پھر مختلف حکمرانوں کی منتشر طاقتوں سے مقابلہ کر کے اپنی حکومت کا داغ بیل ڈالا تھا۔

جدید نظامِ تعلیم میں کچھ اسی طرح کی سازشیں پنہاں ہیں کہ آر ایس ایس سے منسلک افراد کی فوجی ٹریننگ کا سلسلہ تو ایک صدی سے جاری ہے لہٰذا فوجی طاقت پر کنٹرول یہ ان کی پہلی کامیابی ہوگی اور اپنی مرضی کے مطابق مذکورہ پالیسی میں تبدیلیاں دوسری طاقت کو اپنے ماتحت لانے کی دوسری کامیابی ہوگی اور بیک وقت ان دو طاقتوں پر کنٹرول یہ بھارت کے دوبارہ غلام بنائے جانے کا سائرن ہوگا۔ یقیناً جب آپ ہندوستان پر سامراجی تسلط سے پہلے کے تعلیمی حالات، نظامِ تعلیم اور اس کے اصول وقوانین کو موجودہ تعلیمی نظام اور اکیڈمک اسٹرکچر سے جوڑ کر دیکھیں تو دونوں کے تعلیمی ڈھانچوں اور اس کے اصول وقوانین کے درمیان کافی مماثلت ویکسانیت نظر آئے گی اور یہ یکسانیت ضرور بالضرور کسی امر ناگہانی اور غلامیِ ملک ورجال کی طرف دعوت ہے۔ (ماخوذ، ازآزادی نمبر)

حکومت کے کالے کرتوت اور ہمارا سکوت:

جب کسی ملک کا تعلیمی نظام اور اکیڈمک اسٹرکچر پورے طور پر بدلا جارہا ہو، کمزور طبقات کے افراد کے تعلیمی آئینی حقوق کارپوریٹ گھرانے کے سپرد کیے جارہے ہوں تو عوام بالخصوص جمہوریت اور سیکولرزم کا نعرہ دینے والی پارٹیوں اور ملی وسماجی رہنماؤں کا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر خاموش رہنا اِس طرف واضح اشارہ ہے کہ انہوں نے ایک ڈکٹیٹر اور ہٹلر جیسی صفات کے حامل حکومت کے سامنے بے بس ومجبور گھٹنے ٹیک دیے، سر تسلیم خم کر کے جمہوریت اور سیکولرزم کا خون کیا۔ لہٰذا گنگا جمنی تہذیب و ثقافت کی بقا اور قومی، ملکی اور ملی یکجہتی کی حفاظت وصیانت کی خاطر تمام سیکولر پارٹیوں اور ہمدردانِ قوم وملت سے اپیل ہے کہ خاموشی کو بسر چشم رخصت کر کے آئینی وقانونی طریقے سے علم احتجاج بلند کریں اور تعلیمی پردے میں چل رہے کھیل کا شکار ہو کر نہ خود کو غلامی کے لئے کمر بستہ کریں اور نہ ہی باشندگانِ ہند کو غلامی کے لئے پیش کریں۔

تعلیمی نظام میں تبدیلی برائے اصلاح اور اپڈیٹ بدلتا رہتا ہے لیکن آر ایس ایس کے افکار ونظریات کے پس پردہ چلنے والی موجودہ حکومت کے زیر اہتمام ایجوکیشن پالیسی میں بدلاؤ ضرور کسی ناپاک سازش اور گھناؤنے منصوبے کا حصہ ہے اس لئے کہ موجودہ حکومت سے کسی خیر اور بھلائی کی توقع سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے جیسا کہ حکومت کے چھ سالہ کرتوت اس کا ثبوت ہیں۔ ملک کی ترقی اور سب کا ساتھ، سب کا وکاس اور سب کا وشواس، کا نعرہ دینے والی حکومت نے ترقی کی جگہ تنزلی، وکاس کی جگہ تباہ وبربادی اور وِسواس کی جگہ ساری قوموں بالخصوص اقلیتوں کے اعتماد کو کچلنے کا تحفہ ضرور دیا ہے۔ قومی یکجہتی کو فرقہ واریت اور ذاتی واد میں بدلا ہے اور ہٹلر شاہی کو اتنا عروج بخشا ہے کہ نظامِ عدالت اور حقوقِ انسانیت شرمسار ہو کر رہ گئی۔ لوگوں کو غربت وافلاس اور مہنگائی کی ایسی تاریک وادی میں محصور کر دیا کہ جس سے نکلنے کا راستہ کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہے۔

ہندوستان کے متعدد حصوں میں قتل وغارت گری کا ایسا منظر پیش کیا کہ جس سے آدمیت چیخنے پر مجبور ہو گئی گویا ہر طرف اہل وطن پر حکومت کی مار ہے کہیں اقلیتوں پر ترازوئے انصاف کو بالائے طاق رکھ کر بابری مسجد کی جگہ مندر بنانے کی مار، کہیں مسلم خواتین کے ساتھ ہمدردی کا ڈھونگ بنا کر طلاق بل پاس کرانے کی مار، کہیں ۳۷۰ ہٹانے کی نیز CAA,NRC لانے کی بات کہہ کر اہل وطن کا چین وسکون چھین لینے کی مار۔

الغرض موجودہ مرکزی حکومت نے اپنے چھ سالہ دورِ اقتدار میں ملک کی تعمیر وترقی، فلاح وبہبود وروزگار سے متعلق کوئی قابل ذکر پیش رفت نہ اب تک کر سکی ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کی کوئی امید بھی نظر آتی ہے سوائے مختلف ہنگامہ آرائیوں کے لہٰذا اب یہ اہل وطن کو طے کرنا ہے کہ ایسے کالے کرتوت، گنگا جمنی تہذیب وتمدن کی خاتمیت، خوب صورت قومی یکجہتی کی پامالی کے بیچ سکوت اختیار کر کے خود کو غلامی کے حوالے کرنا ہے یا تحریکِ حریت میں شمولیت حاصل کر کے آئینی جدوجہد؟

☆☆☆

شراوستی

دعائے صحت کی درخواست

رضوی کتاب گھر، ماہ نامہ کنزالایمان دہلی کے حروف ساز مولانا محمد صغیر احمد مصباحی کے والد گرامی جناب الحاج محمد افتخار احمد صاحب کی طبیعت خراب ہے، دہلی کے ایک اسپتال میں علاج چل رہا ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ ان کی صحت وشفایابی کے لئے بھی بطورِ خاص دعا فرمائیں۔ (ادارہ)

ہمارا بھارت

نیا کالم

دہلی میں مسلم عہد حکمرانی کی عظیم یادگار

رابعہ عظمت★

دہلی شریف مسلم تاریخی وثقافتی ورثے کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ دہلی پر مسلمان حکمرانوں نے ساڑھے چھ سو سال سے زیادہ حکومت کی اور اس دوران انھوں نے ہندوستان میں کئی شہر آباد کیے اور دہلی میں کئی قلعے اور سینکڑوں مسجدیں تعمیر کریں۔ دہلی میں کئی تاریخی آبادیوں کا وجود عمل میں لایا گیا جن کا طرز تعمیر اسلامی تھا مگر آج مسلم عہد حکمرانی کی یادگاروں کو منافرت اور تعصب کی بھینٹ چڑھایا جارہا ہے اور دانستہ طور پر برباد کیا جارہا ہے۔ مسلم دشمنی کا اِس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کے عہد رفتہ کی تاریخی واسلامی نشانیاں مٹانے کے لئے انھیں ریوڑیوں کی طرح قبضہ گروپوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی شناخت کو دہلی کی سرزمین سے کھرچنے کے لئے عظیم تاریخی عمارات، مسجدوں اور قلعوں کو تباہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں گئی۔

عظیم مسلم حکمراں سلطان التمش کا مزار، تاریخی مسجد قوت الاسلام و قطب مینار کے زیر سایہ قائم ہے۔ ان کی قبر کی مخدوش حالت اور بے حرمتی کا سلسلہ جاری ہے۔ غیرملکی سیاح بادشاہ کی قبر پر بیٹھ کر فوٹو کھنچواتے ہیں۔ جوتے سمیت اپنے پاؤں رکھ کر عظیم صوفی بادشاہ کی عظمت کو اپنے پیروں تلے روندتے ہیں۔

مسلمانوں کے شاندار ماضی کی نشانی مسجد ''قوت الاسلام'' جس کی داغ بیل غزنوی تاجدار قطب الدین ایبک نے ڈالی تھی اس کی مخدوش دیواریں اپنی حالت پر آنسو بہارہی ہیں۔ نہ جانے کیسے کیسے لوگ سجدہ گاہ کی حرمت کو پامال کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اسی مسجد کے کسی گوشے میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتی کے سجدوں کے نشان ہوں گے۔ یہاں پر حضرت غریب نواز معین الدین چشتی نے اپنے سفر دہلی کے دوران عبادت کی ہوگی اور اس کی نورانیت آج بھی موجود ہوگی۔ دہلی کی اس اولین یادگار مسجد کی بے حرمتی دیکھ کر دل مسلمانوں کی بے بسی اور لاچارگی پر ماتم کرنے کو چاہتا ہے۔

دہلی کے علاقے مہرولی میں تاریخی عمارتوں سے بھرا ہوا ایک جنگل ہے جس پر اے ایس آئی کا قبضہ ہے اور اسے اے ایس آئی پارک کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں تاریخی وثقافتی لحاظ سے اہم مسجد جمالی تمالی، مقبرہ غیاث الدین بلبن، مسجد راجوں کی باتیں سمیت درجنوں ایسی ہیں جو اپنی کسمپرسی پر ماتم کناں ہیں۔ ان مسجدوں میں خنزیروں اور کتوں کو ٹہلتے دیکھا گیا ہے۔ بعض تاریخی عمارتیں، غیر اخلاقی سرگرمیوں کا مرکز بن چکی ہیں۔ یہ وہ مسجدیں ہیں جہاں کبھی اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی تھی جہاں قرآن پاک کی تلاوت اور ذکر واذکار کی آوازیں گونجتی تھیں مگر آج یہاں عیاشیوں کے اڈے قائم ہیں۔ اگر دہلی کے مسلمان یہاں باجماعت نماز کا اہتمام کریں تو اے ایس آئی فوراً حرکت میں آجاتی ہے اور مسلمانوں کو روکنے کے لئے پولیس کی بھاری نفری تعینات کردی جاتی ہے۔

دہلی کا مشہور ''لوزون' گارڈن آف فائیوسیزنز'' کبھی مسلمانوں کا تاریخی قبرستان تھا۔ یہ گارڈن سید العجائب کے علاقے میں واقع ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی یہاں پہلے ہی پیڑ پودے تھے جیسا کہ عموماً قبرستان میں ہوتا ہے، پہلے اسے گارڈن قرار دیا گیا اور اب عشق باز جوڑے قبروں کی توہین کرتے ہیں اور ان کے اوپر بیٹھ کر خرمستیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

قدیم دستاویزات کے مطابق موجودہ ساہتیہ اکیڈیمی کی جگہ پر بھی شاندار مسجد قائم تھی، مگر اب اس کا نام ونشان بھی مٹادیا گیا ہے۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہندوستانی دارالحکومت میں موجود ہیں۔

مہرولی میں ایک بڑی اراضی اس قسم کی ہے جو، لاڈوسرائے سے شروع ہوکر ایک طرف قطب مینار تک اور دوسری طرف اندھیریا موڑ تک جاتی ہے۔ یہ علاقہ قدیم تاریخی مسجدوں اور مقبروں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ سب خاردار جنگلوں کے درمیان اور ویران ہیں۔ حکومت نے ہزاروں ایکڑ کی اس اراضی پر ناجائز قبضہ کررکھا ہے اور اسے ایک پارک کی شکل دے دی ہے۔ دراصل دہلی میں مسلمانوں کی تاریخی عمارتوں، مسجدوں، مقبروں پر سرکار خود ہی قبضہ کررہی ہے اور اُسے دہلی ڈیولپمنٹ

اتھارٹی کی زمین قرار دے دیتی ہے۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پورے ہندوستان میں مسلم تاریخی وثقافتی ورثے کی بدتر حالت ہوگی۔ دہلی میں بہت سی زمینیں ایسی بھی ہیں جن پر مسلمانوں کے تاریخی قبرستان تھے مگر اب وہاں دہلی ڈیولپمنٹ اتھارٹی کا قبضہ ہے۔ یہاں زمینوں پر قبضہ جمانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ڈی ڈی اے اپنا بورڈ نصب کردے۔اس کے بعد اگر کبھی وقف بورڈ دعویٰ کردے تو اُس سے کہا جاتا ہے کہ ثبوت پیش کرو۔ڈی ڈی اے خود ثبوت پیش نہیں کرتی۔ ایسی زمینوں پر اکثر دہلی کا سرکاری محکمہ پیڑ پودے لگا دیتا ہے اور اس طرح سے رقبہ ڈی ڈی اے کا ہوجاتا ہے یہاں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

دہلی کی بستی حضرت نظام الدین سے متصل ہوٹل اوبرائے کے سامنے ایک قبرستان ہے جسے ڈی ڈی اے نے امیر خسرو پارک کا نام دے رکھا ہے۔ یہاں ایک مسجد الفردوس اور مدرسہ بھی ہے اس پر بھی ناجائز قبضہ کیا جارہا ہے۔اس طرح متھرا روڈ پر بھی ایک قدیم قبرستان ہے۔اس تاریخی قبرستان میں معروف فارسی شاعر عبدالقادر بیدل کی قبر بھی ہے،اسے ''باغ بےدل'' کا نام دیا گیا ہے۔اب امکان ہے کہ کچھ دن بعد صرف باغ بیدل ہوگا اور قبرستان کا وجود ختم ہو چکا ہوگا۔دہلی میں جو اراضی ڈی ڈی اے کی نظر سے بچ جاتی ہے،اس پر محکمہ آثارِ قدیمہ کا قابض ہوتے دیر نہیں لگاتا۔

دہلی میں بڑی تعداد میں تاریخی عمارتوں میں لوگوں نے رہائش اختیار کررکھی ہے۔حضرت مبارک غزنوی کے مزار کے پاس کئی رہائشیں بن چکی ہیں۔ان کے اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں۔

ان تاریخی عمارتوں کی زبوں حالی کی ذمہ داری محکمہ آثارِ قدیمہ پر ڈالی جائے تو بیجا نہیں ہوگا۔ یہ محکمہ اپنی زیر نگرانی تاریخی مسجدوں میں مسلمانوں کو نماز کی ادائیگی کے لئے جانے نہیں دیتا مگر غیر قانونی طور پر لوگوں کو یہاں رہائش اختیار کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔اس کے لئے محکمہ آثار قدیمہ کے ایڈیشنل ڈائرکٹر نے کہا کہ ان عمارتوں میں غیر قانونی رہائشیں ناجائز قبضے کے دائرے میں نہیں آتیں، کیوں کہ یہ لوگ برسوں سے یہاں رہ رہے ہیں اور اپنی مرضی سے اسے رہائش گاہ کے طور پر استعمال کررہے ہیں۔ان کی دیکھ بھال اور نگرانی محکمہ آثارِ قدیمہ کے ذمے ہے۔

دہلی میں قدم قدم پر تاریخی عمارتوں کی بھر مار ہے۔ یہاں اگر راستے میں کوئی پتھر بھی پڑا ہوا نظر آتا ہے تو وہ بھی اپنے شاندار ماضی کی داستان بیان کررہا ہوتا ہے۔حوض شمسی کو معجزاتی تالاب سمجھا جاتا تھا۔ دہلی جو مسلم عہد حکمرانی میں صرف مہرولی تک محدود تھا،اس کی پانی کی ضروریات اسی تالاب سے پوری ہوتی تھیں۔اس کی کھدائی سلطان شمس الدین التمش نے کروائی تھی اور یہ ابتدائی اسلامی دور کی نشانی ہے۔ اس تالاب کا تذکرہ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔تب یہ بہت وسیع وعریض تھا۔گرمی کے موسم میں جب اس کا پانی سوکھ کر کم رہ جاتا تو لوگ خشک زمین پر فصل اگاتے تھے۔اب یہ سمٹ کر بہت چھوٹا ہو چکا ہے۔آس پاس اونچی عمارتیں کھڑی ہیں۔ظاہر ہے کہ ان عمارتوں کی جگہ پر بھی تالاب تھا۔یہ اب کوڑے گندگی سے بھر کر کچرادان میں تبدیل ہو چکا ہے۔دھوبی اس میں کپڑے دھوتے ہیں۔ اس کا پانی جو کبھی آب حیات کی مانند تھا،اب سڑے ہوئے نالے کا پانی لگتا ہے۔حوض شمسی کے پاس اور بھی کئی تاریخی عمارتیں اپنی زبوں حالی کا حال سناتی ہیں۔ان عمارتوں میں جوا کھیلنے والوں کی محفلیں جمی رہتی ہیں۔ پہلے یہاں ایک تاریخی قبرستان بھی موجود تھا،جس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا۔

دہلی محکمہ آثار قدیمہ کے اے ایس آئی پارک سے گزرنے والی سڑک جو ہریانہ کی طرف جاتی ہے،اس سڑک کے دوسری جانب قلعہ رائے پتھورا کی دیوار کی باقیات ہیں۔ یہاں سے سید العجائب کی دیوار کے ساتھ ساتھ جنگل پھیلا ہوا ہے۔یہ قلعہ تاریخی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں پرتھوی راج چوہان سے پہلے پال خاندان کے رہنماؤں کا قیام تھا،بعد میں مسلم بادشاہوں نے یہاں قیام کیا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے پوتے سلطان معزالدین کیقباد نے اپنا دارالحکومت یہاں کلوکری مہارانی باغ سے پرانا قلعہ منتقل کیا۔

مہرولی، قلعہ سیری، کلوکری، تغلق آباد، جہاں پناہ، فیروز پور، خضرآباد، مبارک پور، دین پناہ، شیر گڑھ، محمد آباد، شاہجہاں آباد، دہلی کے مشہور تاریخی علاقے ہیں۔ان علاقوں کے اندر صاحب حیثیت مسلمانوں نے ہزاروں مسجدیں تعمیر کیں جن میں سے بیشتر صرف تاریخ کے اوراق میں ہی زندہ رہ گئی ہیں۔متعدد تاریخی مسجدیں ایسی بھی ہیں جن کی حرمت پامال کی جارہی ہے اور وہاں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔

ایک ماہر آثار قدیمہ نے لکھا ہے کہ

''ہندوستان میں کوئی مندر، کوئی گردوارہ، کوئی چرچ محکمہ آثارِ قدیمہ نے بند نہیں کیا۔ بدقسمتی سے صرف مسجدوں پر ہی تالے لگائے گئے ہیں، حالاں کہ بہت سے مندر، گردوارے اور گرجا گھر راجوں مہاراجوں کے دور کے ہیں۔ ان کو بھی محکمہ آثارِ قدیمہ میں شامل کرنا چاہیے اور ان میں بھی مذہبی رسومات کی ادائیگی پر پابندی عائد ہونی چاہیے۔''

دہلی میں نیلی مسجد، قدسیہ مسجد، لال قلعہ کے قریب واقع سنہری مسجد، پرانا قلعہ، تغلق آباد، بدر پور، بیگم پوری مسجد، سرائے شاہ جی کی مسجد اور بلبلی خانہ محلہ میں قائم رضیہ سلطانہ کا مقبرہ ایسی تاریخی عمارتیں اور مسجدیں ہیں جہاں مسلمانوں کو نماز کی ادائیگی کی اجازت نہیں اور یہ محکمہ آثارِ قدیمہ کی بے حسی اور متعصّبانہ پالیسی کا شکار ہونے کی وجہ سے کھنڈرات کا ڈھیر بن چکے ہیں۔

متعدد ذرائع کے مطابق لگ بھگ پچاس ہزار افراد تغلق آباد کی تاریخی یادگار میں رہائش پذیر ہیں اور ان کے اردگرد ناجائز تعمیرات کا سلسلہ بھی زور وشور سے جاری ہے جب کہ محکمہ آثار قدیمہ کے قوانین کے مطابق تاریخی عمارت کے تین سو میٹر تک علاقے کے اندر کسی بھی قسم کی تعمیر جائز نہیں لیکن دہلی میں صورتِ حال یہ ہے کہ تاریخی مسجدوں، مقبروں اور دیگر یادگاروں کے سو سے دو سو میٹر کے علاقے میں غیر قانونی عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہے۔ سماجی کارکن اجے کمار کا کہنا ہے کہ

''ہندوستان میں محکمہ آثار قدیمہ گزشتہ پچاس سالوں سے قائم ہے، لیکن آج تک تاریخی عمارتوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کے حوالے سے کبھی متحرک نہیں ہوا بلکہ بار بار فنڈز کی کمی کا بہانہ بنا کر اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہوجاتا ہے۔''

حیرت تو اس بات کی ہے کہ ہندوستان میں آج تک مسلمانوں کے تاریخی ورثے کی حفاظت کے لئے کسی کمیٹی کی تشکیل نہیں دی گئی۔ محکمہ آثار قدیمہ جس عمارت پر چاہتا ہے، اس پر قابض ہوجاتا ہے اور اس پر اپنی ملکیت کا بورڈ لگا دیتا ہے۔ اس وقت مسلم ماہرین وسیاسی لیڈروں پر مشتمل ایک ایسی کمیٹی کی تشکیل کی ضرورت ہے جو دہلی کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے مسلم تاریخی وثقافتی ورثے کی نگرانی کے لئے ایک ڈھانچہ بنائے۔ ۲۰۱۲ء میں محکمہ آثار قدیمہ نے نیلی مسجد، مقصودی مسجد، لال قلعہ، حاقل آباد، تغلق آباد اور قدسیہ مسجد کو اپنے منصوبے میں شامل کیا تھا۔ ۲۰۰۸ء کے دوران ۹۶/ کے قریب مسلم تاریخی مقبروں، مسجدوں کا، دولت مشترکہ کھیلوں کی تیاری کے سلسلے میں نام ونشان ہی مٹا دیا گیا تھا۔

☆☆☆

☆ بشکریہ روزنامہ مصنف حیدرآباد۔ شمارہ ۲۳ ستمبر ۲۰۱۳ء)

جرمنی انٹرنیشنل قرآن مسابقہ میں کیرل کے حافظ طٰہٰ اُویس کو اول مقام حاصل

جرمنی میں جمعیۃ الاحیاء القرآن کے زیر اہتمام منعقدہ انٹرنیشنل قرآن مقابلہ میں کیرل کے طٰہٰ اویس نے اول مقام حاصل کر کے ریاست اور ملک کا نام روشن کیا ہے۔ اس مقابلہ میں ۲۰ سے زائد ممالک کے حفاظ وقراء شریک مسابقہ رہے۔ یہ مسابقہ عالمی سطح پر کافی اہمیت کا حامل رہا ہے جس میں بطورِ فیصل شیخ محمد حسن وہبی (متحدہ عرب امارات) شیخ عبدالواحد فلیلی (اسپین) شیخ محمد عبدالمنعم (برازیل) کے نام قابل ذکر ہیں۔

انعامی مقابلہ کا انعقاد تین مرحلوں میں آن لائن عمل میں آیا۔ حافظ طٰہٰ اویس بن عبدالمنیر جامعہ مرکز الثقافۃ السنیۃ کے زیر اہتمام چل رہے مرکز کالج آف قرآن اکادمی میں زیر تعلیم ہیں۔ ان کی کامیابی پر مرکز انتظامیہ واساتذہ نے مبارکباد پیش کی ہے۔

حافظ طٰہٰ اویس نے اس موقع پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے والدین کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا کہ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ مجھے کامیابی ملی ہے۔ حفظ کی تعلیم کے ساتھ حافظ طٰہٰ اویس ہائی اسکول SSLC کا بھی طالب علم ہے اور مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا عزم بھی ہے۔ طٰہٰ اویس کے مطابق وہ بہت بڑے اسکالر بننا چاہتے ہیں۔ طٰہٰ اویس کا تعلق مالا پورم سے ہے۔ انہوں نے اس سے قبل کئی انعامی مقابلہ میں بھی کامیابی حاصل کی ہے جس میں الفہیم قرآن کمپٹیشن قابل ذکر ہے۔

عبدالکریم امجدی ثقافی، مرکز اردو میڈیا انچارج کالی کٹ کیرالا، amjadinews@gmail.com

بزم عام

زندگی، موت کی آغوش میں

ام عارفہ زہرہ★

یہ کہنے کی بات نہیں کہ ہمارے ابو ہم سب کی جان تھے۔آپ نے بچپن سے لے کر آج تک ہم سب کی خوشیوں کا خیال رکھا۔ہم سب اتنے بڑے ہوگئے، تین چار کی شادیاں بھی ہوگئیں مگر کبھی کسی کو تیز آواز میں نہیں ڈانٹا۔ ہمیشہ مسکرا کر سمجھاتے رہے۔ہمیں آج تک ابو کے علاوہ ''بیٹی''، کسی نے نہیں کہا۔اب ''بیٹی'' کی پکار سننے کے لئے ہم زندگی بھر ترستے رہ جائیں گے۔میں اچانک بھیونڈی سے آگئی جب ابو کو ہلکا سا بخار تھا مگر وہ بخار جان لیوا ثابت ہوگا، یہ ہم نے سوچا بھی نہ تھا۔ ہاسپٹل ملنے گئی جب بھی اتنی تکلیف میں تھے مگر آپ نے اتنے پیارے سے 'بیٹی' بلایا کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔میری وہ آخری ملاقات رہی، پھر ہم صرف ویڈیو کال پر ہی بات کرتے رہے۔

ایک امید تھی کہ امی گھر پر آگئی تو ابو بھی آئیں گے مگر مشیت الٰہی کے آگے سب بے بس ہوکر رہ گئے۔

زندگی یوں روٹھ کر چلی جائے گی
موت کی آغوش میں سو جائے گی

ابو، ہاسپٹل سے بھی خوب اچھی طرح بات کرتے رہے مگر اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ ایک دن خود سے ہی فون کیا اور ہم سب کو سمجھانے لگے کہ ''جانا سب کو ہے ایک دن، تم سب گھبرانا نہیں۔اپنی امی کا خیال رکھنا''، ہم سب نے عرض کیا کہ ''ایسا مت کہو'' اُس دن کے بعد سے ابو بہت اداس رہنے لگے تھے۔کہتے تھے کہ ''میرا ٹائم ختم ہوگیا'' ہم انھیں سمجھاتے مگر وہ بس یہی کہتے رہتے کہ ''ایک بار آکر مل لو'' (یہ ۱۱، اکتوبر کی بات ہے) بہت بلاتے مگر ہماری ایسی بدنصیبی کہ ہم سب تڑپتے رہ گئے مگر ہاسپٹل میں مل نہ سکے۔آخر کے چند دنوں میں ایسا ہوتا کہ جیسے ہی کال کٹ ہوتی، ہمارے گھر میں کسی کے آنسو نہ رُکتے، ہم سب بہت دعائیں اور تلاوت کرتے لیکن۔۔۔ہم ابو کو پا نہ سکے۔

ابو اتنے اچھے تھے کہ ہمیں دوست کی کبھی کمی ہونے نہ دی۔ ہمارے گھر میں روز کا معمول ہے کہ رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم سب ایک ساتھ ایک دو گھنٹہ وقت گزارتے ہیں۔ابو ہم سب سے ہنسی مذاق بھی کرتے اور دین و دنیا کی تمام باتیں بتاتے۔ہم اُن سے دینی مسائل بھی دریافت کرتے اور بہت سے سوال کرتے، وہ اتنا تسلی بخش جواب دیتے کہ دل مطمئن ہوجاتا۔عشا کے بعد دفتر سے ابو کے آتے ہی گھر میں بہت رونق بڑھ جاتی۔ہمارے بچوں کو بھی نانی کے گھر رات ہی میں اچھا لگتا ہے۔ہمارے بچے کہتے کہ جب نانا آتے ہیں جبھی گھر میں اچھا لگتا ہے کیوں کہ ابو کی عادت رہی کہ آفس سے آکر اتنی باتیں کرتے کہ ہم سب کے جی بھر جاتے اور بہت اچھا بھی لگتا، خوب رونق رہتی۔ اب وہ رونق ابو، اپنے ساتھ لے گئے۔

آج بھی ہم سب ساتھ میں بیٹھتے ہیں مگر ابو کی جگہ، خالی رہ جاتی ہے اور ہم سب آنسوؤں کی نمی کو چھپاتے رہتے ہیں تاکہ ہماری امی خوش رہیں۔ ہم سب چھپ چھپ کر جتنا بھی روئیں لیکن امی کے سامنے مسکراتے ہیں۔ جب امی نے ایک بار کہا کہ ''میں بھول تو نہیں پاتی مگر جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھتے ہیں تو برداشت نہیں ہوتا'' اُس وقت ہم ان کا دھیان اِدھر اُدھر کرتے ہیں مگر ہم سب کا دل صرف ابو کی طرف ہی لگا رہتا ہے۔ہر وقت ابو ہمارے دل و دماغ پر چھائے رہتے ہیں۔ہم کیسے بھول جائیں اور کیسے بتائیں کہ ابو آپ کے بغیر کیسے جیے جارہے ہیں۔آپ کے بغیر کبھی جینے کا تصور بھی نہیں کیا تھا مگر زندگی کا نظام ہے کہ چل رہا ہے۔

یہ بھی کہنے کی بات نہیں کہ اپنے بچوں سے ابو کو بہت پیار رہا۔میرا بیٹا جب چھوٹا تھا تو اپنی پیٹھ پر بٹھا دیتے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھتے پھر پورے گھر میں گھماتے۔جب ۵ سال کا ہوا تو اُسے اپنا دوست ہی بنالیا۔ فون جب بھی کرتے تو پوچھتے کہ میرا دوست کہاں ہے۔بہت سی باتیں کرتے۔میرے بیٹے نے اپنے نانا جیسا اپنا دوست بھی کھو دیا۔

ابو کی محنت و مشقت بھری زندگی پر دنیا گواہ ہے، یہ بات ہمیں ماہ نامہ کنز الایمان سے معلوم ہوئی۔ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ ابو نے کبھی فٹ پاتھ پر بھی کام کیا ہے۔اتنی محنت ! میرے ابو صرف دوسروں کے

لئے جیتے رہے۔سنیت ، گھر خاندان اور بچوں کے لئے فکر مند رہتے ،اپنے لئے بھی خوب سوچا، جسے آخرت کی سوچ کہہ سکتے ہیں۔ انھوں نے کبھی اپنے لئے پندرہ سو کے کپڑے بھی نہیں بنوائے۔ہم بہت کہتے مگر ابو کا جواب ہوتا کہ یہی میرے لئے بہت اچھا ہے، میں کیا کروں گا، اتنا مہنگا کپڑا پہن کر؟ عاتکہ کی شادی میں چھوٹے بھائی ارشد نے اپنی پسند کا کپڑا بنوایا تو بہت خوش ہوئے پھر اُس کے بعد وہ اپنا پرانا کپڑا ہی پہننے لگے۔ہاسپیٹل میں ایڈمٹ ہونے سے چند دنوں پہلے ہی ارشد نے تین جوڑے کرتا پاجامہ بنانے کے لئے کپڑے لے کر ٹیلر کو دیا مگر...ابو ہم سب کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔کاش ایک بار گھر آجاتے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ ہر آرزو خاک میں مل گئی۔

یہ غم ہمیں ستاتے رہے گا۔آج بھی ہم سب کو یہی لگتا ہے کہ ابو کہیں گئے ہیں، ابھی آجائیں گے لیکن سچائی سے کون بھاگ سکتا ہے۔ دراصل وہی ایک ایسے شخص تھے جو ہم سب کی پسند کا خیال رکھتے، یہاں تک کہ روز، سب کی پسند کی الگ الگ چیزیں لاتے۔ہم کہتے بھی تھے کہ سب کے لئے الگ الگ مت لایا کرو۔ ہماری باتیں سن کر بڑے پیار سے کہتے کہ میری فلاں بیٹی کی یہ پسند ہے، فلاں بیٹی کی یہ پسند ہے اور میرے بچے ہی تو کھائیں گے؟ میں کماتا کس لئے ہوں؟ کبھی اپنے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ مجھے یہ پسند ہے، میں اپنے لئے لایا ہوں اور ہاں یہ روز کا معمول تھا۔

روز کا یہ معمول بھی ہم سب کو یاد ہے کہ صبح فجر کے وقت نماز پڑھنے کے بعد تین چار کھجوریں اور کیلا کھاتے پھر ڈیڑھ پارے تلاوت کرتے اور سو جاتے، نو بجے اٹھتے اور ناشتہ کر کے دفتر نکل جاتے تاکہ سب سے پہلے دفتر میں موجود ہوں۔ابو کی روزانہ کی یہ خاص عادت رہی۔دراصل ان کی روزی، رزق میں برکت کا راز ہے جس کا صدقہ اُن کی اولاد پا رہی ہے یعنی عبادت کے لئے بھی پابندی اور تجارت کے لئے بھی پابندی۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے ابو کو بطورِ خاص نوازا کہ ابو نے سب کے لئے بہت کچھ کیا۔کر کے آگے بڑھتے گئے۔اپنے بھائیوں یعنی ہمارے چچا جان صاحبان اور بھانجے بھتیجوں کے لئے، اپنے رشتے داروں اور گاؤں گھر والوں کے لئے۔وہ اپنے دامادوں کی خوش حالی کو دیکھ کر اُن سے بھی بے فکر رہا کرتے۔انہیں اتنا یقین ہوتا کہ میرے داماد میری بیٹیوں کا خاص خیال رکھیں گے۔رب کا فضل و کرم ہے کہ ہم تینوں بہنیں اپنی شادی شدہ زندگی میں بہت خوش ہیں۔ماشاء اللہ۔اللہ نے ابو کو داماد بھی دین دار ہی عطا کیے اور بہت محنتی بھی۔اس کے باوجود اگر کوئی مدد کے لئے کہتا تو کبھی منع نہیں کرتے۔

ابو ہم سب کو ہمیشہ یہ ضرور سمجھاتے کہ بیٹا ہمیشہ اللہ سے یہی دعا کرو کہ ''تو اپنا محتاج بنا، کسی دوسرے کا محتاج مت بنا۔ ہمیشہ دینے والا ہاتھ بنا، لینے والا مت بنا'' یہ ابو کی دعاؤں کا ہی صلہ ہے کہ ان کے بیٹے، بھتیجے، داماد سبھی ترقی کرتے رہے ہیں۔اللہ اُن سب کو نظر بد سے بچائے۔آمین۔دعا ہے کہ ہمارے دو بھائی اور دو بہنیں جو شادی کے لئے رہ گئے ہیں، اللہ اُن کو بھی خوب نیک سیرت اور دین دار شریک حیات اور جیون ساتھی عطا کرے۔آمین

میں اپنے دل کی آواز کو لکھنا تو پہلے ہی چاہتی تھی لیکن آنسوؤں کی رفتار کی وجہ سے لکھ نہ سکی۔اب یہ غم تو زندگی بھر کا ساتھ ہو گیا ہے۔ماہ نامہ کنز الایمان جب ہم نے پڑھا کہ آپ سبھی میرے ابو سے اتنا پیار کرتے ہیں اور اتنی عقیدت و محبت رکھتے ہیں تو ہم سب خوشی سے رو پڑے۔امی کو بھی جب میں نے پڑھ کر سنایا، وہ بھی رونے لگیں کہ اتنے چاہنے والے لوگ ایسے ایسے اچھے لفظوں سے ہمارے ابو کو نواز رہے ہیں۔ہم خود بھی حیران رہ گئے کہ ابو بہت سے لوگوں کے لئے اتنے مددگار بھی رہے۔

ماہ نامہ کنز الایمان کے قارئین سے میں گزارش کرتی ہوں کہ ابو نے جس طرح ۲۳ سالوں سے ماہ نامہ کنز الایمان شائع کیا ہے اُسی طرح اب بھی نکلتا رہے گا لیکن اس کے لئے آپ تمام لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔امید ہے کہ جس طرح آپ سب نے ابو کو اپنی محبت وعقیدت سے نوازا ہے، اسی طرح میرے دونوں بھائیوں کو بھی آپ تنہا نہیں چھوڑیں گے۔میرے بھائیوں سے آپ کی الفت و محبت کو دیکھ کر میرے ابو کی روح کو بھی بہت سکون ملے گا کہ ان کے چاہنے والوں نے ان کے بیٹوں کا خوب ساتھ دیا ہے۔

اللہ دونوں بھائیوں کی محنت میں خوب برکت عطا کرے اور ہمارے ابو کی خواہش ''مشائخ دہلی نمبر'' جلد منظر عام پر آجائے۔آمین

زندگی کی آپ باغ و بہار لے کر گئے
اپنے پیچھے دو نو نہال چھوڑ کر گئے

فقط: آپ کی بیٹی

10 جنوری 2021

بزم سخن

نعت نبی ہے بالیقیں....

لا ریب حمد کبریا ہر ایک فن کی آبرو
نعت نبی ہے بالیقیں مُلک سخن کی آبرو

اُن کے پسینے کی مہک سارے جہاں میں ہے رچی
زلفِ نبی پاک سے مشکِ ختن کی آبرو

اُن سے بہارِ گلستاں اُن سے نگارِ بوستاں
لا ریب مصطفیٰ سے ہے رنگ چمن کی آبرو

اوڑھ لی جس نے چادرِ حبِ حبیب کبریا
معراج آشنا ہوئی اُس کے کفن کی آبرو

دونوں جہاں میں مرتبہ اُس کا عظیم تر ہوا
جس کو عزیز تر رہی شاہِ زمن کی آبرو

عشقِ رسولِ پاک ہے میری متاعِ بے بہا
شوقِ زیارتِ رسول میرے نین کی آبرو

مقصد مشاہدؔ اپنا ہے ہر پل ثنائے مصطفیٰ
اِس میں زباں کی آبرو، اِس میں دہن کی آبرو

عرض نمودہ

محمد حسین مشاہدؔ رضوی، مالیگاؤں

ہم اپنی بھول سے نکلے

ہوا مہکتی جو شہر رسول سے نکلے
نہ ایسی خوشبو کسی عطر و پھول سے نکلے

اسی مہک سے معطر ہے گلشن اسلام
مہکتے پھول جو صحن بتول سے نکلے

گل بہشت کرے رشک دیکھ کر اُس کو
جو خار ، شہر نبی کے ببول سے نکلے

طبیب روح وقلوبنا

ہمیں کیسی فکر کہ مصطفیٰ ، ہیں وَکِیلنا ہیں کفیلنا
کہ خدا کے بعد وہی تو ہیں جو مجیدنا جو مجیبنا

ملا ایسا رہبر و پیشوا جو ، ہر اک کے درد کی ہے دوا
وہ حبیبنا وہ طبیبنا وہ طبیب روح و قلوبنا

وہ جو کُنْ فَکَانْ کا سبب بنے وہ تاج دارِ عرب بنے
وہ ہمارے واسطے وَعْنِنا ، وہ عیاننا وہ معیننا

وہی لذت شب تار میں وہی روشنی خیال میں
وہی شمسنا وہی بدرنا وہی نجمنا وہی نورنا

وہ جو سر عشق رسول ہے وہ بیاں کروں تو میں کیا کہوں
وہ قرآننا وہ حدیثنا وہ رکوعنا ، وہ سجودنا

ہمیں خستہ حالی کا غم نہیں کوئی رنج اور الم نہیں
کہ ہیں چارہ گر وہی غوثنا وہ غیاثنا وہ مغیثنا

وہ ہر ایک دور کے رہنما جو گزر گیا جو ، اب آئے گا
وہ ہے ابتدا وہی منتہا ، وہ قدیمنا وہ جدیدنا

نہ کہے ادب سے زباں مگر ، اُنھیں سب کے حال کی ہے خبر
وہ خدا نے رتبے دِیے اُنہیں وہ شھودنا وہ شھیدنا

نہ ہو دل میں ظلمتِ شب کا ڈر ، رہے لب پہ ورد سا ، اگر
کہ حضور آپ ہیں نورنا ، ہیں سراجنا ہیں منیرنا

میری ذات میں میرے نام میں لگے چار چاند کلام میں
مری نعت میں وہ خطیبنا وہ فصیحنا وہ بلیغنا

ہمیں خوف حشر ادیبؔ کیوں کہ انہی کی مدح و ثنا میں ہیں
کہ قرآن جن کے لئے کہے وہ رؤفنا وہ رحیمنا

حضورِ رب نہ عبادت ہماری کام آئی
بغیر حب نبی سب فضول سے نکلے

مرے نبی کے توسل سے جو دعا مانگے
تو معافی توبہ کی دست قبول سے نکلے

خدا کے فضل کی ہو بات یا کہ نعمت کی
تمام عشق نبی کے حصول سے نکلے

درِ رسول پر ہوتی ہے حاضری مقبول
ارادہ کر کے جو حب رسول سے نکلے

خدا تو مہرباں ہے خلد میں ہمیں رکھا
وہاں سے نکلے تو ہم اپنی بھول سے نکلے

نتیجۂ فکر
وصی مکرانی واجدی، سرلاہی (نیپال)

امی یہ کیا کہہ رہی ہے!

اے حبیبہ تو کیوں رو رہی ہے؟
تیرے پہلو میں سلمہ کھڑی ہے

اپنے چھوٹے پر نظریں تو ڈالو
سامنے تنہا عارفہ وہ کھڑی ہے

سب کو سمجھاتے دِلساتے خود بھی
دل سے کتنی وہ ٹوٹی ہوئی ہے

عاتکہ ، عذرا ہیں کتنی پریشان
کب سے ابو کے لئے ، رو رہی ہے

احمد و ارشد تم ! مل جل کے رہنا
دیکھو امی یہ کیا کہہ رہی ہے

تیرے ابو ، جنتی ہیں یقیناً
تیرا دل زہرآ ، تری وفا کہہ رہی ہے

آوازِ دل: اُم عارفہ زہرآ
۱۸، دسمبر ۲۰۲۰ء بروز جمعرات

کام سے انسان کی پہچان

وہ پاکیزہ صفت اور نیک خو، اوصاف کا پیکر — جو خود ہی رہنما ، سالار، فوجی اور خود لشکر
پریشانی میں بھی جس نے نہ اپنا حوصلہ کھویا — ارادہ جس کا مستحکم صداقت کا تھا جو جویا
وہ اک عاشق جسے دینی کتابوں سے محبت تھی — امام احمد رضا، ان کی کتابوں سے محبت تھی
رکھا قائم تسلسل کنزالایماں کی اشاعت کا — رکھا جس نے بھرم ہے عمر بھر سنی جماعت کا
وہ اک بیباک فطرت، حافظ قرآن وعابد تھے — وہ مسلک کی کتابوں کی اشاعت کا مجاہد تھے
کتابوں سے محبت جس کو قمرالدین کہتے ہیں — ہم ان کی کاوشوں پر ہدیۂ تحسین کرتے ہیں
وہ رخصت ہو گئے اُن کا مگر ہر کام زندہ ہے — جہان اردو میں ان کا ہمیشہ نام زندہ ہے
خدایا اُن کا دامن نعمت سرکار سے بھر دے — لحد حافظ قمر کی رحمت وانوار سے بھر دے
وصیؔ جی کام سے انسان کی پہچان ہوتی ہے — بغیر اس کے کوئی کب شخصیت ذیشان ہوتی ہے

کاوش فکر: وصی مکرانی واجدی

شاہ مفتی محمد میاں دہلوی

عرسِ مفتی محمد میاں آج ہے — شہر دہلی میں نوری سماں آج ہے
فیض شیخ مجدد سے پیشِ نظر — جلوۂ مرشد کاملاں آج ہے
مظہر اللہ ، مفتی مشرف ، ثمر — سب کا فیضان جاری یہاں آج ہے
شاہ مفتی محمد میاں دہلوی — آپ جیسا کوئی اب کہاں آج ہے
آپ ہیں آج آرام فرما جہاں — اس جگہ آمد قدسیاں آج ہے
آپ کی شانِ اقدس میں مفتی ثمر — یہ جہاں محو رطب اللساں آج ہے
ہیں اُسید آپ کے جانشیں بالیقیں — بزم میں جن کا جلوہ عیاں آج ہے
قاضی اہلِ سُنّت لقب آپ کا — با ادب سب کے وِردِ زباں آج ہے
اے شگفتہ گل گلشن مظہری — ہر زباں پر تری داستاں آج ہے
آپ جس میں رہے عمر بھر جلوہ گر — جاذبِ جان و دل وہ مکاں آج ہے
ہو گئے آپ دنیا سے رخصت مگر — آپ کی یاد راحت رساں آج ہے
سائلو ! جھولیاں آ کے بھر لو یہاں — جوش پر رحمت بے کراں آج ہے
نزد شیخان مسجد میں بعد عشا — نعت وتقریر و وعظ و بیاں آج ہے
لینے دامن میں فیضانِ عرس ثمر — ہر طرف آمد عاشقاں آج ہے
اپنے دل میں جو رکھتا ہے بغض ولی — اس کا ہر اک عمل رائیگاں آج ہے
آپ کی شانِ اقدس میں یہ منقبت — لے کے حاضر ابُو ارسلاں آج ہے

ابو ارسلان سیّد قیصر خالد فردوسی (دہلی)
۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۲ھ ـ ۱۷ جنوری ۲۰۲۱ء (بروز اتوار)

اگر چاہتے ہیں کہ آنے والا سال بہتر ہو تو آج سے ہی نماز پابندی سے ادا کریں گی

نماز پڑھو

اگر ہو دل میں کوئی رنج و غم نماز پڑھو
منا لو رب کو ہے جب تک نسم نماز پڑھو
بروز حشر کسی کا نہ ہوگا جب کوئی
رکھو نگاہوں میں ہر وقت اپنی کرب و بلا
یہ لمبے لمبے گِلے شکوے سے ہے کیا حاصل؟
کرو گناہوں سے توبہ وسیلے آقا کے
یقین مانو نہ باقی رہے گا بالکل بھی
نماز چشم شہ انبیا کی ٹھنڈک ہے
دعا جو مانگو وہ فوراً قبول ہو جائے
سلام پھر تمہیں دنیا کرے گی جھک جھک کر
کہاں تھے آج کہاں آ گئے ذرا سوچو
ستم گروں کے ستم سے نہیں خدا سے ڈرو
کبھی بھی اُس سے زیادہ تو مل نہیں سکتا
نماز فرض ہے پہلے ہر اِک عبادت سے
ذلیل ہوتے ہیں جگ میں نماز کے تارک
نماز چھوڑ کے دنیا کے تم بنے ہو غلام
تمہارے چہرے پہ برسے گا نور شام و سحر
زمانے بھر میں مِرے دوست پاؤ گے عزت
لب حبیب خدا پر جو آخری دم تھا
رہو گے عیش و مسرت میں کتنے دن بولو؟
سوال ہوگا جو پہلا نماز کا ہوگا
حلال رزق کماؤ درست بات کرو
علاوہ رب کے مدد کوئی کر نہیں سکتا
دماغ اپنا لگانے سے کچھ نہیں ہوگا
تم اپنے رب کے نہیں جب، تمہارا کیوں ہو کوئی؟
فقط یوں نعرے لگانے سے کچھ نہیں ہوگا
تم ہی نے ڈالا تھا دریا میں اپنے گھوڑوں کو
کبھی جو قدموں میں تھے آج سر پہ بیٹھے ہیں

خدائے پاک کا ہوگا کرم نماز پڑھو
ملے گا پھر سے نہ کوئی جنم نماز پڑھو
مِرے حضور رکھیں گے بھرم نماز پڑھو
تمہارے جسم میں جب تک ہے دَم نماز پڑھو
کرو تو ہوش میرے محترم نماز پڑھو
ڈرو خدا سے کرو آنکھ نم نماز پڑھو
حیات میں جو تمہاری ہے سم نماز پڑھو
رکھے گا شاد خدا تم کو جم نماز پڑھو
عطا کرے گا خدا ایسا فم نماز پڑھو
حیات پاؤ گے اللہ سے لم نماز پڑھو
رسولِ پاک کی اُمّت ہیں ہم نماز پڑھو
تمہارے سامنے ہوں گے یہ خم نماز پڑھو
کیا جو رزق خدا نے حمم نماز پڑھو
ہے کہہ رہا یہی عرب و عجم نماز پڑھو
تمہارے چومے گی دنیا قدم نماز پڑھو
بنو گے تم ہی جہاں کے قرم نماز پڑھو
میں کہہ رہا ہوں خدا کی قسم نماز پڑھو
ملے گا صدقۂ شاہِ اُمم نماز پڑھو
وہ اپنے ذہن میں کر لو رقم نماز پڑھو
تمہیں بھی جانا ہے سوئے عدم نماز پڑھو
کرو نہ خود پہ تم ایسے ستم نماز پڑھو
بھرو نہ آگ سے اپنا شکم نماز پڑھو
کھڑے ہیں سر پہ یہ اہل صنم نماز پڑھو
تمام مشکلیں جائیں گی تھم نماز پڑھو
ابھی سے مل کے کرو سب زمم نماز پڑھو
اٹھاؤ دینِ نبی کا علم نماز پڑھو
ملے گا پھر تمہیں وہ ہی حشم نماز پڑھو
رہو گے کفر کے کب تک خدم نماز پڑھو

بتاؤں کیا تمہیں انجام بے نمازی کا
خدائے پاک بھی ہوگا دِژم نماز پڑھو
سنو نماز اُنہیں اپنی جاں سے پیاری ہے
ہے بے نمازی عمر کی رغم نماز پڑھو
یہ مال و زر یہ خزانے ہی کام آئیں گے
ہوئی ہے فکر یہ کیسی رمم نماز پڑھو
ہمارے جیسوں کی خاطر وہ روئے سجدوں میں
نہیں ہے جن کا جہاں میں دُوَم نماز پڑھو
کرو اے بھائی مِرے اپنی مسجدیں آباد
خدائے پاک دِکھائے حرم نماز پڑھو
وہ صرف اچھے عمل ہیں جو کام آئیں گے
ہٹاؤ خود سے پَرے اب منم نماز پڑھو
بڑا رحیم ہے توبہ کرو وہ بخشے گا
کرو خطاؤں پہ اپنی ندم نماز پڑھو
رِدائے نور میں رکھ کر چھپائیں گے آقا
بروزِ حشر نہ ہوگا نقم نماز پڑھو
نہ اِس میں لاؤ بُری بدعتیں نہیں جائز
ہے دینِ شاہِ مدینہ اتم نماز پڑھو
ہیں سب درست مزارات چادر و حلوہ
مگر نماز ہے سب سے اہم نماز پڑھو
جو لکھ رہے ہو چلو خود بھی اُس پہ اے توصیفؔ
ہوئی اذان رکھو اب قلم نماز پڑھو

نَسَم: سانس۔ سَم: زہر۔ جَم: ہمیشہ۔ فَم: منہ۔ لَم: لمبی۔ حُمم: مقدر۔ قَرَم: سردار۔ عَدَم: نیستی۔ زَمَم: مضبوط ارادہ۔ حَشَم: شان وشوکت۔ خَدَم: خدمتگار۔ دِژَم: غضب ناک۔ رَغَم: ناپسندیدگی۔ رَمَم: گلی سڑی۔ دُوَم: ثانی۔ مَنَم: غرور۔ نَدَم: ندامت۔ نِقم: دُکھ۔ اَتَم: مکمل

کاوش فکر: توصیف رضا رضوی، سیتامڑھی
بہار (بھارت) 9594346926

کورونا کال میں دارالعلوم انوارِ رضا نوساری کا ایثار

لاک ڈاؤن کے زمانے میں واقعی یہ قابل تقلید عمل ہے کہ ۵۱، اساتذہ اور ملازمین کو اب تک پوری پوری تنخواہ دی جارہی ہے

غلام یزدانی سعدی ★

ویسے تو زندگی کے ہر گوشے میں لاک ڈاون نے اپنی بدنما چھاپ چھوڑی اور تمام تعلیمی شعبہ چاہے عصری ہو یا دینی سب کے بنیادی اور متحرک ڈھانچہ کو مسمار کردیا ہے اور تعلیمی معیار کو بہت پیچھے ڈھکیل دیا ہے، بچوں کی تعلیم ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے، تعلیمی ادارے خصوصاً مدارس اسلامیہ محافظ علمائے کرام، حفاظ عظام و مبلغان اسلام وہم وگمان سے بھی بالاتر ناگہانی مصیبتوں کے دہانے پر پھنس گئے اور بے روزگاری کے طوق ان کے گلے آن پڑے۔ مدارس ومساجد کے منتظمین کی بے حسی دیکھئے کہ اپنے ہی ائمہ اور علما کی زندگیاں تنگ کردیں نتیجتاً ہمارے علما خون کے آنسوں روئے ،اپنوں نے اپنوں ہی پر خزانوں کے دہانے بند کردیئے ،مسجد کے اراکین نے ائمہ مساجد کو ،مدارس کے ذمہ داران نے معلمین کو بلا دریغ معزول کیا، نہ تو اُن کی سابقہ خدمات کو ملحوظ رکھا اور نہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر ترس کھایا اور نہ ہی ان کی فاقہ کشی، لاچاری اور محتاجی کا کوئی اندیشہ کیا۔ ہندوستان بھر میں تقریباً ۹۵ فیصد اداروں نے تو اپنے ہی ائمہ وپیشوا کے مشاہرہ سے بیزاری کا اظہار کیا اور بالکلیہ تنخواہ بند کردی، کاش کہ مساجد کے اراکین ومدارس کے ذمہ داران اورٹرسٹیان پل بھر کے لئے اپنے آپ کو ان کی جگہ کھڑا کر دیکھتے تو قدموں تلے زمین کھسک جاتی اور احساس ہوتا کہ معمولی سی تنخواہ میں زندگی بسر کرنا کس قدر لوہے کا چنا چبانے کے مترادف ہے اور محسوس ہوتا کہ یہ قلیل تنخواہ ابنائے اسلام کے مستقبل کو تابناک و درخشنداں بنانے والی ہستیوں کے لئے اونٹ کے منھ میں مثل زیرہ کے ہے، وہ بھی اس گرانی دور میں، مہینہ ختم نہیں ہوتا کہ امورِ خانہ داری میں پوری رقم صرف ہوچکی ہوتی ہے اور اگر خدانخواستہ گھر میں بیماری نے دستک دے دیا تو پھر اس قلیل عطیہ سے علاج ومعالجہ کا معاملہ بھی درپیش رہتا ہے اور دین کے یہ صابر وشاکر خدمت گار نعمت مترقبہ کی آرزو میں آئندہ ماہ کے شدت سے منتظر ہوتے ہیں، کاش کہ ذمہ داران ذرہ برابر بھی اس معاملہ پر غور وفکر کرتے تو ہرگز ہرگز اساتذہ اور ائمہ کو اُن کے عہدوں سے معزول کرنے کا گھنونا جرم نہ کرتے اور ایک المیہ یہ بھی ہے کہ طلبہ، اساتذہ اور ائمہ کے نام پر ذخیرہ اندوزی کرکے تعمیراتی کاموں میں صرف کردیا جاتا ہے لیکن قوم وملت کے معمار کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔

۴ فیصد ہی ایسے ادارے ہیں جنھوں نے اپنے زبوں حال خستہ دل اساتذہ کو نصف یا ۷۵ فیصد ماہانہ تنخواہ دے کر بہت حد تک ان کی عزت و عظمت کو قائم رکھا ہے اور ایک فیصد ہی اہل دل ذمہ داران ہیں جو اپنے ادارے کے اساتذہ کی مصیبت اور پریشانی کی گھڑیوں میں ان کے پرسان حال ہیں اور ان کی ضروریات پر دریادلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر ماہ پوری تنخواہ دے کر احسان عظیم کے سنہرے باب میں آب زر سے اپنا نام درج کروارہے ہیں اور نامۂ اعمال میں نیکیوں کے نقوش بنوارہے ہیں۔

خلیفہ مفتی اعظم ہند اشرف الفقہاء حضرت مفتی محمد مجیب اشرف ناگپوری نور اللہ مرقدہ وادام فیوضہ وخلیفہ اشرف الفقہاء عزیز العلماء حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قادری برکاتی کا قائم کردہ ادارہ دارالعلوم انوار رضا نوساری گجرات اِس لاک ڈاون میں ایثار، فلاح اور بہبود کی دوڑ میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے، اقتصادی بحران کے باوجود بانیٔ ادارہ عزیز العلماء مولانا غلام مصطفیٰ قادری برکاتی اور اراکین ادارہ کے احسانات وانعامات اپنے مدرسین ،طلبہ اور قوم مسلم پر مثل سابق جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر بھی احسانات وانعامات کی بارش فرمائے۔

ذمہ دار حضرات نے ادارہ کے فیملی کواٹر میں قیام کرنے والے تمام مدرسین کے لئے خورد ونوش کی سبھی چیزوں کا انتظام کیا۔ رمضان المبارک میں بھی اپنے اساتذہ کو کچھ نہ کچھ نوازتے رہے ،ابتداءً لاک ڈاون کی ہنگامی صورت حال کے مدنظر جامعہ میں قیام پذیر طلبہ کی ضروری اخراجات اور حسب معمول کھانے پینے کا معقول انتظام کیا۔ اپنے اخراجات سے طالبان علوم نبویہ کو اُن کے آبائی وطن تک باحفاظت پہنچا کر عظیم کارنامہ بھی کر دِکھایا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جذبۂ غربا پروری سے سرشار ہوکر عزیز العلماء اور ان کے دونوں دست وباز صدر المدرسین مولانا سرفراز احمد ازہری ومدیر جامعہ مولانا حافظ عبد القادر سعدی نے نوساری کے سیکڑوں غریب ونادار کنبوں تک امدادی سامان فراہم کرنے کا انتظام فرمایا۔

مولانا غلام مصطفیٰ قادری برکاتی کے تمام مدرسین انوارِ رضا پر ناقابل فراموش احسانات واکرامات ہیں کہ ابتدائے لاک ڈاون سے ہنوز ہر ماہ تمام شعبہ جات کے ۵۱ مدرسین کو بغیر کسی کٹوتی کے مکمل مشاہرہ اختتام ماہ سے قبل ہی اکاؤنٹ میں ارسال کردیتے ہیں یعنی اراکین ادارہ نے ۵۱ فیملی کے گھریلو ذمہ داری وخانہ

داری کا گراں قدر بار اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھا ہے۔ یقیناً یہ کارنامہ کوئی اہل دل ہی کر سکتا ہے، لاک ڈاؤن سے لے کر جنوری ۲۰۲۱ء تک ادارہ کی طرف سے دی ہوئی تمام تنخواہوں کو اگر جمع کیا جائے تو ۵۰ لاکھ روپے سے زیادہ کی خطیر رقم بنتی ہے۔ اگر عزیز العلماء بھی چاہتے تو یہ خطیر رقم اوروں کی طرح آئندہ سال کے بجٹ کے لئے ذخیرہ اندوزی کرتے یا ادارہ کی تعمیراتی پلاننگ میں صرف کر سکتے تھے لیکن عزیز العلماء نے جسمانی وروحانی تعمیر سازی کو مادی تعمیر کاری پر ترجیح دی۔ بلاشبہ اس طرح کے مشکل حالات میں علمانوازی کے نظارے، دینی وفلاحی خدمات، وقتاً فوقتاً گھر جا چکے اساتذہ سے رابطے میں رہ کر اُن کی خیریت دریافت کرنا، بیماریوں اور پریشانیوں میں گھرے مدرسین کی حسب ضرورت بلا احسان جتلائے ان کی امداد کرنا بھی اپنے آپ میں ایک عظیم مثال ہے۔

مالی بحران کے باوجود عزیز العلماء کی دینی، سماجی، فلاحی اور فکری پاکیزگی کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں کہ ہمارا ادارہ موجودہ حالت میں مالی اعتبار سے اس قدر مضبوط اور خوشحال بھی نہیں اور کورونا وائرس کی ستم ظریفی سے زبوں حالی کا شکار ہو کر بھی توکل علی اللہ کر کے لاک ڈاؤن کی پرواہ کیے بغیر، جامعہ اسلامیہ ڈھابیل (جو نائب دیوبند سے مشہور ہے) کے قریب مرولی میں خطیر رقم کی لاگت سے مسجد رضا کی زمین کا سودا کیا۔ الحمدللہ مسجد رضا کی تعمیر کا کام بھی شروع کر دیا۔

ان شاءاللہ (۲۶ رجب ۱۴۴۲ھ، ۱۱ مارچ ۲۰۲۱ء) اس مسجد کا افتتاح بھی ہے۔ لوک ڈاؤن کے دوران ہی بمقام کڈودرا مسجد غریب نواز کی ایک زمین کا سودا کیا گیا لیکن ابھی تعمیری مراحل سے گزرنا باقی ہے۔ مذکورہ بالا مقام پر اس مسجد کے علاوہ گردونواح میں دس کلومیٹر تک کوئی سنی مسجد نہیں۔

عزیز العلماء نے نونہالوں کو دینی تعلیمات کے ساتھ عصری تعلیمات سے مزین کرنے کا ہدف بنایا ہے اور دور حاضرہ کے تقاضے کے تحت اسلامک رویل انگلش میڈیم کا مسودہ تیار کیا جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارے بچوں کے عقائد محفوظ رہیں گے۔ امین ملت پیر طریقت سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی اطال اللہ عمرہ اور خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت اشرف الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد مجیب اشرف قادری نوراللہ مرقدہ کے مبارک ہاتھوں سے اس فلک بوس عمارت کی بنیاد بھی پڑ چکی ہے، اثنائے لاک ڈاؤن یہ پروجیکٹ بھی (تین منزلہ عالیشان عمارت ۲۳x۲۳ کے رقبے سے چو بیس ۲۴ بڑے وسیع ہال پر مشتمل ہیں۔ گراؤنڈ فلور+ٹو فلور جو تقریباً ۸ ہزار اسکوائر فٹ پر ہے) تعمیراتی ادوار سے گزرتے ہوئے اپنی آخری منزل کی طرف رواں دواں ہے، اللہ تعالیٰ بحسن وخوبی مکمل فرمائے۔ ادارہ فی الحال مالی بحران سے گزرتے ہوئے ایک گراں قدر رقم کا مقروض ہے۔ ان سب کے باوجود اپنے مدرسین اور اہل نوساری کے لئے تڑپنا اور اُن کو درپیش آنے والے ناخوشگوار حالات میں خندہ پیشانی سے ان کے کام آنا یقیناً کسی مرد مومن وبندہ صالح کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ اہل ثروت واہل خیر حضرات اس ممتاز ومنفرد چمنستان علم وادب کا ساتھ دیں اور ادارہ کی ہر طرح کی ترقیوں کو اوج ثریا تک پہنچانے کے لئے بڑھ چڑھ کر ادارہ کی امداد واعانت فرمائیں تاکہ ادارہ اپنی منفرد وممتاز خدمات میں چار چاند لگا سکے اور اس کی انفرادیت ملکی اور غیر ملکی سطح پر قابل توجہ اور لائق احترام بنی رہے اور جامعہ کے فلاحی، تعلیمی اور تعمیری کاموں کو پائے تکمیل تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کریں کیوں کہ ایسے نازک حالات میں بھی ادارہ پورے ہندوستان میں قابل تعریف اور سرفہرست ہے اور آپ تمامی حضرات کے تعاون وحوصلہ افزائی سے ادارہ آج متعدد شعبہ جات پر مشتمل ہے۔ اہل سنت و جماعت کی یہ عظیم درسگاہ یقیناً آپ تمام اہل خیر ہی کی احسان ومنت کے سہارے بام عروج کی راہ پر رواں دواں ہے، اس ادارہ سے بے شمار علما، حفاظ، قراء فارغ التحصیل ہوئے، الحمدللہ یہاں کے فارغین ملک اور بیرون ملک دین کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم ہیں۔

حضرت اشرف الفقہاء اور دارالعلوم انوار رضا کا تذکرہ خلیفہ مفتی اعظم ہند مفتی محمد مجیب اشرف قادری۔ نوراللہ مرقدہ۔ کے بغیر ناقص ونامکمل ہے، اس ادارہ پر آپ کے بے شمار احسانات وانعامات ہیں، ادارہ سن تاسیس سے ہی اشرف الفقہاء کا احسان مند ہے کیونکہ دارالعلوم کے جملہ مراحل میں آپ کی ہر طرح کی محنت ومشقت کا اہم دخل رہا ہے، آپ اس ادارہ کے سرپرست تھے اور آج بھی آپ کی روحانی سرپرستی قائم ودائم ہے، ملک اور بیرون ملک ادارہ کی شہرت آپ کی تگ ودو کا ثمرہ ہے، آپ کی ہی کی بدولت ادارہ قلیل مدت میں ملکی سطح پر سر فہرست معیاری درسگاہ شمار کیے جانے لگا، آپ کی حیات ظاہری میں ادارہ کی باگ ڈور آپ کے مبارک ہاتھوں ہی میں تھی یقیناً آپ کا وجودِ مسعود ادارہ کے لئے ایک انمول تحفہ تھا۔ آپ ادارہ کو دل وجان سے عزیز رکھتے اور عزیز العلماء سے آپ بے پناہ محبت فرماتے، سفر ہو یا حضر ہر جگہ عزیز العلماء ہی آپ کو عزیز ہوتے، آپ کی رحلت یقیناً امت مسلمہ کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے لیکن اس سانحہ کا سب سے بڑا غم اور قلبی دکھ عزیز العلماء کو ہوا جو اپنے اور ادارہ کے ایک ظاہری سرپرست اور مربی سے محروم ہو گئے، ادارہ اور اہل نوساری آپ کے خدمات کو تا ابد فراموش نہیں کر سکتے، ان شاءاللہ ادارہ آپ کے روحانی فیوض و برکات سے کامیابی کے منازل کی طرف گامزن رہے گا۔

اللہ تعالیٰ انھیں اور ہم سب کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور سب کو نظر بد سے محفوظ رکھے، اللہ پاک اس ادارہ کو تا قیامت اہل سنت وجماعت کا حصن متین بنائے رکھے اور اس میں سنیت کا کام خوب فروغ پائے۔ آمین

☆ خادم التدریس دارالعلوم انوار رضا، نوساری، گجرات (بھارت)
7209756526, 9895216427

کتابیں جو تعارف کا تقاضا کرتی رہیں

اختیارِ نبوت:

یہ ۱۶۰ صفحاتی کتاب، مجمع البحرین مفتی شاہ عبید الرحمٰن رشیدی مصباحی (سجادہ نشیں خانقاہ رشیدیہ جون پور) کی عظیم تصنیف ہے اور اپنے موضوع پر ایک علمی شہکار اور بلند پایہ تحقیق۔ ''تعارفِ مصنف'' ابرار رضا مصباحی نے کرایا ہے اور مصنف کے حالات اور اُن کی دینی و علمی اور فقہی و تحقیقی خدمات کو اجاگر کیا ہے۔ حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی مبارک پوری علیہ الرحمۃ والرضوان کی تقریظ شامل ہے جس میں انھوں نے کتاب کے موضوع اور مصنف سے متعلق اہم باتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کے بعد خود مصنف کا پیش لفظ اور کتاب کی ابتدا ہے۔ یہ کتاب شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن سے ابھی ۲۰۲۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

عرفانِ تصوف:

مصنف: پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی، سینئر پروفیسر شعبہ علوم اسلامی جامعہ ہمدرد نئی دہلی۔ نام سے ہی کتاب کا مرکزی موضوع واضح ہے۔ اس میں باب کی جگہ ''عرفان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اِس میں بارہ عرفان ہیں۔ عرفان اول: حقائق تصوف، ۲: تصوف کے بنیادی اصول، ۳: ریاضیات ومجاہدات، ۴: اوراد، اذکار، ۵: مراتب اولیاء، طبقات صوفیہ، ۶: تصوف، کتاب وسنت واسوۂ صحابہ کی روشنی میں، ۷: وحدت وجود، وحدت شہود، ۸: تصوف کا تدریجی ارتقاء، ۹: خانقاہی نظام، آداب ومراسم، ۱۰: عہد غالب میں دہلی کی اہم خانقاہیں، ۱۱: اسلامی تصوف کے بنیادی مآخذ یعنی کتب ورسائل، الف: کتابیں، ب: ملفوظات، ۱۲: تصوف کی مخالفت کیوں؟ کتاب کا مطالعہ کریں تو آپ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب، تصوف، صوفیہ، صوفیانہ روایت، صوفی نظام ونصاب اور طبقات صوفیہ کا تعارفی دائرہ معارف ہے جسے برق صاحب کی زبانی یوں کہہ سکتے ہیں کہ

تاریخ واساس اور اصول واقسام — گنجینۂ دُکّان تصوف ہے یہ

اور بقول حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی ''یہ تصور دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ تصوف، اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس کے پھول اور پھل کا ذائقہ اسلام کی طبیعت کے لئے خوشگوار نہیں'' کا اِس کتاب میں خوب صورت علمی، نظریاتی اور فکری طور پر جائزہ لیا گیا ہے اور منازل تصوف: شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے یعنی صوفی ادب میں یہ کوئی عام نہیں بلکہ خاص اور خوب صورت اضافہ ہے۔ ۲۰۱۹ء میں البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی علی گڑھ اتر پردیش کے مالی تعاون سے شایع ہوئی ہے جس کے ۶۴۰ صفحات ہیں اور قیمت ۶۰۰ روپے ہے۔

ہندوستانی مسلمان:

تعلیمی، سماجی اور سیاسی مسائل پر مولانا ممتاز عالم مصباحی کے لکھے گئے اور مختلف اخبارات ورسائل میں شائع مضامین کا مجموعہ ہے جسے انہوں نے ہی مرتب کیا ہے، اس میں سولہ ابواب ہیں اور ایک ضمیمہ ہے۔ باب اول: تحفظات اور مسلمان، ۲: تعلیم اور مسلمان، ۳: معیشت اور مسلمان، ۴: ملازمت اور مسلمان، ۵: ریزرویشن اور مسلمان، ۶: بنیادی حقوق اور مسلمان، ۷: پرسنل لا اور مسلمان، ۸: بینکنگ سہولت اور مسلمان، ۹: اوقاف اور مسلمان، ۱۰: جارحانہ قوم پرستی اور مسلمان، ۱۱: فرقہ وارانہ فسادات اور مسلمان، ۱۲: فرضی انکاونٹر اور مسلمان، ۱۳: سیاست وقیادت اور مسلمان، ۱۴: ہندوستانی میڈیا اور مسلمان، ۱۵: روزگار کے مسائل اور مسلمان، ۱۶: انتظامیہ و عدلیہ اور مسلمان، ضمیمہ: عہد وسطیٰ کا ہندوستان۔ اخیر میں مصنف کی حیات وخدمات یعنی خودنوشت سوانح حیات مذکور ہے۔ مصنف کے ذاتی ادارہ دائرۃ الحسنات کان پور، اتر پردیش سے ۲۰۱۶ء میں شائع ہوئی ہے جب کہ خواجہ بک ڈپو دہلی میں یہ کتاب دستیاب ہے، ۵۳۶ صفحات ہیں اور قیمت ۴۰۰ روپے ہے۔

نفحات مولیٰ علی: ہمارے کرم فرما صوفی شیخ طریقت حضرت مفتی آفاق احمد مجددی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تشکیل کردہ علمی تحریکی تنظیم ''فروغ تصوف فاونڈیشن'' جامعہ احمدیہ قنوج اتر پردیش کے زیر اہتمام ۲۰۱۹ء میں ہوئے جشن مولیٰ علی عالمی سیمینار و کانفرنس میں لکھے اور پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ ہے جسے مولانا محمد آصف رضا مجددی نے مرتب کیا ہے، جس میں حضرت مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب، احوال وآثار وکوائف اور تعلیمات ونظریات پر ۲۰ مقالات شامل ہیں۔ حضرت مفتی آفاق احمد مجددی نے ''حضرت مولی علی اور اُن کی اولاد امجاد کے باطنی کمالات'' کو بیان کیا ہے۔

سفر ہے شرط: یہ کتاب، حضرت امین ملت کے سفر وحضر میں مصاحب جناب محمد اکبر قادری برکاتی صاحب کا ذاتی روزنامچہ ہے جس میں انہوں نے ۱۹۹۹ء سے ۲۰۱۹ء تک کے درمیان میں ہونے والے حضرت امین ملت کے دعوتی دینی، تعلیمی اور تبلیغی اسفار کو تاریخ وار لکھ کر محفوظ کر لیا ہے، جسے البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ نے اکتوبر ۲۰۱۹ء کے سالانہ عرس قاسمی برکاتی کے موقع پر شائع کر دیا ہے اور تفصیلی معلومات حاصل کرنے والوں کے لئے تحقیقی زادِ راہ مہیا کر دیا ہے۔ صفحات ۲۰۸ ہیں اور قیمت درج نہیں۔ اِس کتاب کو دیکھ کر ہمیں یاد آیا کہ ۱۴، اکتوبر ۲۰۰۰ء کو حضرت مولانا محمد کوثر خان نعیمی (سابق صدر المدرسین جامعہ عربیہ اظہار العلوم نیا بازار جہانگیر گنج ضلع امبیڈکر نگر، اتر پردیش) کے حجرے میں فجر کے وقت جماعت سے پہلے امین ملت حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے مبارک ہاتھوں پر سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت وارادت کا شرف حاصل ہوا۔

محمد ظفر الدین برکاتی

سید العلماء حضرت سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کا سالانہ عرس مبارک

اور

حضرت سید محمد افضل میاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کا عرس چہلم، ذاکر نگر دہلی میں منایا گیا

۱۱ جمادیٰ الاخریٰ ۱۴۴۲ھ ۲۵، جنوری ۲۰۲۱ء بروز پیر بعد نماز عشا، کلیہ فاطمہ زہرا، رضا چوک ذاکر نگر دہلی کے پاس جناب مجیب بھائی برکاتی کے مکان میں سید العلماء حضرت سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کے سالانہ عرس مبارک اور حضرت سید محمد افضل میاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ و الرضوان کے عرس چہلم کی روحانی تقریب منعقد ہوئی، پہلے قرآن خوانی ہوئی اور ختم قادریہ کیا گیا پھر نعت ومنقبت خوانی اور فاتحہ وشجرہ خوانی ہوئی، شیرینی اور برکاتی لنگر سے سبھی احباب اور حاضرین کی ضیافت کی گئی۔ دعائے مغفرت اور فاتحہ خوانی کی تقریب میں (ناچیز) مولانا محمد ظفر الدین برکاتی، حاجی محمد حسنین برکاتی سکریٹری جامعہ حضرت نظام الدین ذاکر نگر، محمد مزمل حسین خان برکاتی، مجیب بھائی برکاتی الامین بیکری والے، قاری نبی رضا بریلوی دار القلم قادری مسجد، حافظ ریاض الدین برکاتی مدرسہ زہرا قادری مسجد، حافظ محمد سعید اکبر پوری سابق موذن مسجد خلیل اللہ، حافظ محمد علی حسن ابراہیمی مدرسہ ابراہیمیہ مسجد خلیل اللہ، اعجاز احمد فیضی دہلی یونیورسٹی، حافظ سیف رضا بریلوی رضا مسجد، محمد وسیم الدین برکاتی، صوفی ابوبکر اسماعیلی وغیرہ شریک ہوئے اور مقامی مدرسوں کے طلبہ شامل رہے۔

قارئین کی معلومات اور عقیدت ومحبت میں اضافہ کے لئے سید العلماء حضرت سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کا مختصر تعارف پیش نظر ہے:

تاج دارِ مسند غوثیہ، آل احمدیہ، نوریہ، امیریہ، برکاتیہ۔ ولادت: ۲۵/رجب ۱۳۳۳ھ۔ ۹/جون 1915ء بروز بدھ مارہرہ میں ہوئی۔ اسم مبارک: آپ کا پورا نام۔ آل مصطفیٰ اولاد حیدر، عرفیت سید میاں، لقب سید العلماء ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب والدین کریمین کی جانب سے حضرت میر محمد صغریٰ قدس سرہ پر ملتا ہے۔ آپ نجیب الطرفین سادات سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم والدہ محترمہ سے حاصل کی، نانا حضور سید شاہ اسمٰعیل حسن ابوالقاسم شاہ جی میاں (۱۲۷۲ھ۔ ۱۳۴۷ھ) اور ماموجان حضرت اُولادِ رسول محمد میاں صاحب (۱۳۰۹ھ۔ ۱۳۷۵ھ) سے علوم درسیہ مروجہ کا اکتساب کیا۔ جامعہ معینیہ اجمیر شریف سے فراغت ہوئی۔ صدر الشریعہ حضرت مفتی امجد علی اعظمی صاحب قبلہ وغیرہ آپ کے اساتذہ میں ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے علم طب وحکمت حاصل کیا۔ نانا حضور سید شاہ اسمٰعیل حسن ابوالقاسم شاہ جی میاں اور ماموجان حضرت اُولاد رسول محمد میاں صاحب سے بیعت وارادت وخلافت اور خالو سید شاہ مہدی حسن علیہم الرحمۃ والرضوان سے خلافت واجازت حاصل ہے۔ خاندانی روایت کے پیش نظر کتاب مستطاب النور والبھافی اسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء پر تحریر موجود ہے۔ حضرت سید العلماء قدس سرہ نے اپنی پوری زندگی دعوت وتبلیغ میں صرف کی۔ ۱۹۴۹ء میں ممبئی تشریف لے گئے، کھڑک مسجد کی امامت قبول کی اور اس کے بعد ممبئی کا دینی مذہبی نقشہ ہی بدل دیا۔ اس کے بعد مارہرہ کا سید ممبئی کا ہو کر رہ گیا۔ اہم کارنامہ: (۱) ۱۹۵۸ء آل انڈیا سنی جمیعۃ العلماء کا قیام۔ (۲) شہر ممبئی کے تقریباً ہر محلے میں نیاز کمیٹیاں قائم کروائیں۔ (۳) جلوس غوثیہ، (۴) ماہ ربیع الاول کے جلوس (۵) محرم الحرام کی محافل کا انعقاد (وغیرہ) حضرت سید العلماء مفتی بھی تھے۔ تصنیف وتالیف: (۱) فیض تنبیہ۔ (۲) نئی روشنی۔ (۳) مقدس خاتون۔ آپ شاعر بھی تھے "کسی کی جے وِجے ہم کیوں پکاریں کیا غرض ہم کو؟ ہمیں کافی ہے سید اپنا نعرہ یا رسول اللہ" آپ ایک کامیاب مناظر بھی تھے، ممبئی بھیونڈی کے خوش عقیدہ مسلمان آپ کے مناظر ہونے کا تذکرہ آج بھی کرتے ہیں۔ آپ علماء ومشائخ کا خوب احترام کرتے، آپ کے خاندان کے بزرگوں کا یہ عمل رہا ہے۔ آپ بھی اس پر کاربند رہے اور آپ کی آل و اولاد، اہل خاندان بھی اس کام کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ حضرت سید العلماء قدس سرہ کی زندگی جدید وقدیم کا سنگم تھی، ایک طرح ان کے اندر اپنے اسلاف کا رنگ تھا، تو دوسری طرف زمانے کی نبض پر کھنے کا سلیقہ بھی تھا۔ شفاف سیاست کا شعور بھی تھا۔ ۱۹۵۸ء میں آپ نے حج بیت اللہ سے اور زیارت روضہ رسول کونین سے شرشار ہوئے۔ ۱۱/۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ۔ یکم جولائی ۱۹۷۴ء کی درمیانی شب میں ۱۱ بج کر ۴۰ منٹ پر وصال فرمائی۔ اسی مناسبت سے ۱۱ جمادیٰ الاخریٰ ۱۴۴۲ھ ۲۵ جنوری ۲۰۲۱ء کو پیر کے دن (منگل کی شب) سید العلماء حضرت سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کے سالانہ عرس کی محفل منعقد ہوئی اور حضرت سید محمد افضل میاں قادری برکاتی کے چہلم کی فاتحہ خوانی ودعائے مغفرت کا اہتمام بھی کیا گیا۔

حضرت سید العلماء کے صاحب زادۂ گرامی سید ملت، نعت گو مفسر قرآن حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمیؔ مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کی زیارت اور ملاقات کا ہمیں شرف حاصل ہے، خوش گوار ہم کلامی کی گھڑی بھی میسر ہوئی ہے اور آپ کے روبرو آپ کا نعتیہ کلام رفعت مصطفائی پر عرش کی عقل دنگ ہے" ترنم سے پیش کرنے کی سعادت بھی حاصل ہے۔ آپ کی حیات کے وقت سے ہی آپ کے مصاحب محب گرامی مولانا منصور عالم علیمی برکاتی سے رابطہ اور تعلقات ہیں۔ عرس کی خبر ملنے کے بعد مولانا منصور عالم علیمی برکاتی (کشی نگر) نے بتایا کہ سردیوں کا موسم ختم ہوتے ہی ۵/۶/۷ مارچ ۲۰۲۱ء کو بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار کو نہایت اہتمام کے ساتھ حضرت سید العلماء کا سالانہ عرس منایا جائے گا۔ اِن شاءاللہ۔

محمد ظفر الدین برکاتی

تاج الصوفیہ مولانا راشد رضا آسوی ابوالعلائی جہانگیری کے چہلم کی تقریب

مولانا غلام آسی پیا فیض العارفین کے صاحب زادے، علامہ ارشد القادری کے بھتیجے اور حسنی ابوالعلائی جہانگیری سلسلے کے شیخ طریقت تھے

قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری کے صاحب زادے غلام ربانی صاحب نے بتایا کہ شیخ طریقت مولانا راشد رضا آسوی ممبئی میں آج ۲۴ ربیع الآخر ۱۴۴۲ھ ۸ دسمبر ۲۰۲۱ء کو بروز منگل صبح کے وقت حرکت قلب کے بند ہونے سے انتقال کر گئے اور آپ کا جنازہ ممبئی سے بذریعہ روڈ بلرامپور کے لئے روانہ ہوا۔ ۱۰، دسمبر کو بروز جمعرات بعد نماز ظہر مدھپور شریف، اترولہ اتر پردیش میں آپ کی تدفین ہوئی۔ نماز جنازہ علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مصباحی سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں رامپور، بلیا یوپی، دہلی اور جمشید پور کے رشتے دار، اہل خانہ اور مریدین و معتقدین بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ رئیس القلم کے جانشین ڈاکٹر غلام زرقانی نے فون پر بتایا کہ حضرت مولانا خواجہ صوفی راشد رضا آسوی ابوالعلائی جہانگیری، حضرت مفتی اعظم ہند کے خلیفہ، حضرت فیض العارفین کے جانشین اور خانقاہ حسنیہ ابوالعلائیہ جہانگیریہ آسویہ اترولہ بلرامپور اتر پردیش کے سجادہ نشین تھے۔ آپ نے اپنی خانقاہ میں دار التصوف تعمیر کیا ہے اور وہیں سے دعوتی اصلاحی اور تبلیغی دورے فرماتے تھے۔ آپ ہمارے گھر کے بزرگ صوفی عالم دین اور ہم سب کے سرپرست تھے، آپ کے وصال کی وجہ سے اب ہمارا خاندان اپنے بزرگ سرپرست سے محروم ہو گیا ہے۔

ماہ نامہ جام نور کے مدیر اعلیٰ ڈاکٹر خوشتر نورانی نے آپ کی معروف روحانی شخصیت کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ ہمارے ماموں جان ایک نہایت زندہ دل انسان اور اخلاق کے دھنی آدمی تھے، اُن میں عشق و ادب رسالت مآب کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ آپ ہمارے نانا جان علامہ غلام آسی پیا کی صوفیانہ روایات کے امین اور ہمارے دادا علامہ ارشد القادری کی مذہبی حمیت اور مسلکی غیرت کے نقیب و پاسبان تھے۔ مرحوم کی اصاغر نوازی کے گواہ مفتی منظر نعیمی نے تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی صدارت و سرپرستی میں آپ کے عقیدت مندوں میں بارہا خطاب کا موقع ملا ہے، آپ خطابت کے دوران کافی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے اور اپنی دعاؤں سے نوازا کرتے۔ رب کریم انھیں غریقِ رحمت فرمائے۔ مکتبہ جام نور دہلی کے مینیجر مولانا غلام عبدالقادر فیضی نے کہا کہ غم کی اِس گھڑی میں ہم آپ کے صاحب زادے مولانا ضیاء اللطیف اور فیض اللطیف صاحبان اور آپ کے سبھی اہلِ خانہ و محبین کو تعزیت پیش کرتے ہیں۔

ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے مدیر اعلیٰ مولانا محمد ظفر الدین برکاتی نے کہا کہ جانشین فیض العارفین اور برادر زادۂ رئیس القلم اپنے مریدین اور عقیدت مندوں کے حلقے میں تاج الصوفیہ کے لقب سے مشہور تھے، اپنے سلسلہ کے بزرگ شیخ طریقت اور گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی رحلت سے جماعت اہل سنت اور صوفی دنیا کے لئے عظیم خسارہ ہوا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور اُن کے پس ماندگان خاص کر صاحب زادگان، صاحب زادیوں، ان کی اہلیہ اور چاروں بہنوں اور ان کے مریدین و متوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

سرزمین مدھپور چاند وَلی شاہ اترولہ آستانہ حضرت فیض العارفین کے احاطہ میں ۶/۵ جمادیٰ الاخریٰ ۱۴۴۲ھ ۲۰/۱۹ جنوری ۲۰۲۱ء بروز منگل، بدھ تاج الصوفیہ، شہزادۂ فیض العارفین خلیفہ حضرت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الحاج راشد رضا مصباحی علیہ الرحمہ خانقاہ قادریہ جہانگیریہ آسویہ مدھپور شریف کی روح کو ایصال ثواب کے لئے فاتحہ چہلم کی عرفانی محفل منعقد ہوئی۔ سرپرستی شہزادۂ تاج الصوفیہ، نبیرہ فیض العارفین حضرت مولانا قاری ضیاء اللطیف آسوی سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ ابوالعلائیہ آسویہ اور صدارت شہزادۂ فیض العارفین حضرت مولانا ڈاکٹر غلام یزدانی نائب سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ ابولعلائیہ آسویہ مدھپور شریف نے کی۔ خانقاہی روایت کے مطابق بعد نماز مغرب حلقہ ذکر کی محفل منعقد ہوئی اور بعد نماز عشا جلسہ کا آغاز تلاوت کلام ربانی سے ہوا۔ نظامت مولانا ریحان رضا آسوی نے کی۔ مولانا تبریز عالم آسوی نے تاج الصوفیہ کی حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور مولانا شعیب آسوی الہ آبادی نے اپنے پیر کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کی۔ مولانا ابوطالب آسوی نے خلاف شرع کاموں سے بچنے کی تلقین کی۔ دوسرے خطیبوں اور علمائے کرام نے خراج عقیدت اور نعت خوان و شعرا حضرات جناب انور مرزا پوری، طفیل شمسی ضیا، رسول اورنگ آبادی، قاری ریاست رامپوری، ابرار قیصر اورنگ آبادی، حافظ فرید کانپوری اور ترنم گونڈوی نے نعت و منقبت کا گلدستہ پیش کیا۔ بعد صلاۃ و سلام، دعاؤں پر محفل ختم ہوئی۔

صبح دس بجے صاحب سجادہ و نائب سجادہ و خانوادہ کے دیگر حضرات نے سرکاری چادر تاج الصوفیہ کی بارگاہ میں پیش کیا، اس کے بعد محفل پاک کا آغاز ہوا۔ آغازِ محفل سے اختتام تک خلیفہ فیض العارفین مولانا خواجہ سید محب الحق قادری سربراہ اعلیٰ دار العلوم سرکار آسی سعد اللہ نگر نے مکمل طور پر قیادت فرمائی۔ محفل سماع کے بعد دعا پر محفل ختم ہوئی۔ دوسرے روز ۲۰ جنوری کو صبح دس محفل قل کا اہتمام ہوا، اسی مقدس محفل میں سجادگی کا اعلان شہزادہ فیض العارفین مولانا ڈاکٹر غلام یزدانی نائب سجادہ فیض العارفین نے کی۔ شہزادۂ صدر الشریعہ مفتی بہاء المصطفیٰ قادری بریلوی نے دستار بندی کی اور قل شریف کے بعد صلاۃ و سلام پڑھا گیا۔ خلیفہ فیض العارفین مولانا خواجہ سید محب الحق رضوی قادری کی رقت آمیز دعا پر محفل کا اختتام ہوا۔ بعدہ محفل سماع شروع ہوئی۔ چہلم کی تقریبات میں جملہ وابستگان سلسلہ آسویہ محبیہ نے شرکت کی۔

قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری کے صاحب زادے غلام ربانی صاحب نے بھی ترنم کے ساتھ منقبت خوانی کی اور تعارفی کتابچہ ”تذکرہ تاج صوفیہ“ تقسیم کیا جسے قاری سید عرفان رضا جامعی نے مرتب کیا ہے۔

روداد حیات الحاج محمد نبیہ قصاب ثقلینی

محافظ طریقت، قبلۃ العارفین، کعبۃ السالکین، پیکر محسن انسانیت، آفتاب شریعت، ماہتابِ طریقت، عارف باللہ، قبلہ وکعبہ الشاہ الحاج میاں حضور دامت برکاتہم العالیہ شرافتی خلیفہ مزاج قبلہ وکعبہ الشاہ الحاج مولوی شاہ شرافت علی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بریلوی کو کمپوزنگ کے بعد جب یہ کتاب ''روداد حیات وکردارِ الحاج محمد نبیہ قصاب ثقلینی'' پیش کی تو میاں حضور نے مکمل کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کتاب کی اصلاح فرمائی اور عالمہ مریم ثقلینی بنت منا ثقلینی ابن نصر اللہ شرافتی کی حروف سازی تعریف فرمائی اور بہت ساری دعائیں عطا کیں۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تب بھی میاں حضور کی خدمت بابرکت میں کتاب نظر نواز کی پھر میاں حضور نے کتاب کا مطالعہ کیا۔ سرورق اور کاغذ کا مشاہدہ کیا تو میاں حضور نے کتاب کی تعریف فرمائی اور الحاج محمد نبیہ قصاب ثقلینی ابن نصر اللہ شرافتی بانی مدرسہ غوث الثقلین مہمند ہدف شاہجہاں پور کی حوصلہ افزائی کی اور تعریف فرمائی۔ میاں حضور نے کچھ جملے تحریر عطا فرمائے جو کہ حسب ذیل ہیں، لفظ بلفظ میں وہی لکھ رہی ہوں، ملاحظہ فرمائیں ''آپ کی سوانح جس میں آپ کے جیتے جاگتے کارناموں کا ہے ،وصول ہوئیں۔ رب العزت آپ کی دنیا وعاقبت دونوں اچھی فرمائے اور آپ کے اہل خانہ اہل خاندان کو ہمیشہ ہمیش سلسلہ عالیہ شرافیہ بشیریہ مجددیہ قادریہ سے وابستہ رکھے۔ سب کا اللہ تعالیٰ بھلا کرے۔ دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ اہل سلسلہ حضرات واہل خانہ کو دعا خیر۔'' فقط

دعائے خیر: راقم محمد ثقلین، محلہ شاہ آباد بریلی، ۲۱ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ بروز جمعرات۔ ۱۰ ستمبر ۲۰۲۰ء

(۱) یہ اول تعریف قبلہ وکعبہ الشاہ الحاج میاں حضور دامت برکاتہم العالیہ شرافتیہ کی جانب سے کتاب کی حوصلہ افزائی میں ہے۔

(۲) دوسری تعریف اور حوصلہ افزائی تعلیم وتعلم کے شیدائی، شاعر بے مثال، صادق القول، عزت مآب، ادیب شہیر، پیکر خلوص ومحبت، صاحب السیف والقلم، زبان اردو کے خیر خواہ، شاعر ادیب، قدآور شخصیت، جاں نثار مدرسہ غوث الثقلین، عوام الناس کے منظورِ نظر عالی جناب اختر شاہجہاں پوری صاحب ساکن رنگین چوپال ملحق باباوالی مسجد (الحاج شمسی خاں صاحب کا پل) شاہجہاں پور کی طرف سے ہے۔ جب شاہجہاں پوری صاحب کو یہ کتاب پیش کی تو آپ نے مطالعہ کرنے کے بعد عالمہ مریم ثقلینی کی کمپوزنگ کی خوب تعریف کی اور آپ نے اپنی خاکساری کے ثبوت میں کتاب کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے الحاج محمد نبیہ قصاب ثقلینی (حاجی بابا) سے فون پر گفتگو میں کہا کہ ''اگر میں اِس کتاب کی حوصلہ افزائی نہ کروں تو کفرانِ نعمت ہوگا اور میں اللہ سے التجا کرتا ہوں کہ یا اللہ! میرا نام شکر گزار بندوں میں آجائے۔ اس کتاب میں سب سے بیش قیمتی بات یہ ہے کہ جو بھی واقعات تحریر ہیں، وہ تاریخی گواہی کے ساتھ ہیں اور تاریخ قمری، شمسی دونوں ہی تحریر ہیں۔'' غرضیکہ شاعر صاحب نے کتاب کے سرورق اور کتاب کی بہت تعریف کی۔ (۳) سوم محترم المقام لائق صد احترام مجھ ناچیز کے استادِ معظم عالی جناب ارشاد علی ثقلینی چچا صاحب نائب خازن مدرسہ غوث الثقلین نے کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد حاجی بابا سے کتاب کی تعریف وحوصلہ افزائی کی اور اپنے تاثرات کا اظہار کیا کہ ''میں جس مضمون کا بھی مطالعہ کرتا ہوں پھر دوبارہ اس کے مطالعہ کرنے کی جستجو باقی رہتی ہے۔'' (۴) چہارم محترم المقام لائق صد احترام عالی جناب ڈاکٹر معشوق علی عرف ننھے منصوری صاحب (عمرہ ادائیگی) ساکن بجلی پورہ نزد سرکاری قدیمی شفا خانہ شاہجہاں پوری نے جب کتاب کا مطالعہ کیا تو حاجی بابا سے کہا کہ ''میں نے جناب الحاج شفیع اللہ منصوری ثقلینی صاحب سے کتاب سے متعلق گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ ہم اِس کے مرتب نہیں ہیں'' یہ انہوں نے کتاب کی تعریف اور حوصلہ افزائی کی۔

(۵) پنجم محترم المقام لائق صد احترام عالی جناب الحاج حافظ وقاری محمد قمر الدین رضوی صاحب بانی ایڈیٹر ماہ نامہ کنز الایمان دہلی۔ حافظ صاحب نے جب ''روداد حیات وکردار الحاج محمد نبیہ قصاب ثقلینی'' کا مطالعہ کیا تو ۲۷ محرم ۱۴۴۲ھ بروز بدھ ۱۶ ستمبر ۲۰۲۰ء کو جناب شبو خاں ثقلینی ولد جناب محمد علی خان کپڑے والے محلہ بنگش شاہجہاں پور کو فون کیا، اس کتاب کی بہت مبارکباد پیش کی اور کتاب کے سرورق کی، رنگ تکلف کی اور کاغذ کی غرضیکہ کتاب کی مکمل تعریف وتوصیف کی۔ شبو خاں صاحب کہتے ہیں کہ میں حافظ صاحب کو اِس انداز میں جانتا ہوں کہ جب میں دہلی تجارت کے سلسلہ میں جاتا ہوں تو حافظ صاحب میرے ساتھ بڑے ہی خلوص سے پیش آتے ہیں اور میرے چچا الحاج محمد نبیہ قصاب ثقلینی صاحب کی کتاب کی جو تعریف اور حوصلہ افزائی کی ،اس کے لئے میں قلب کی گہرائیوں سے حافظ صاحب کا ممنون ومشکور ہوں۔

مریم ثقلینی بنت منا ثقلینی ابن نصر اللہ شرافتی (معلم اعلیٰ) مدرسہ غوث الثقلین، مہمند ہدف، شاہجہاں پور، اتر پردیش (بھارت)

RNI No. 69814/98
Date of Publishing 5 & 6
Posted At Delhi RMS & G.P.O. Delhi-110006
"KANZUL IMAN" MONTHLY
423, Matia Mahal, Jama Masjid, DL-6, 011-23264524
POSTAL REGD. No. DL (DG-11) / 8055/2021-2023
Date of Posting 10 & 12 EVERY ADVANCED MONTH
MARCH - 2021
Rs.25/-
weight 90 grams
Total 68 Pages With Title Cover
Editor: Mohammed Qamruddin Razvi
PRINTED AT : JAVEED PRESS 2096 RODGRAN, LAL KUAN, DELHI-110006